بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ○

اللہ کے نام سے شروع (کرتا ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا (ہے) * الف - لام - را -
یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی اور روشن قرآن کی (۱/۱۵ * ت: ضیاء)

۱- یہ سورہ حجر مکیہ کی پہلی آیت جلیلہ ہے جس کے اول حروف مقطعات الف لام را ہیں " الٓرٰ
یہ آیتیں ہیں کامل کتاب اور واضح قرآن کی - تلك سے سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے
الکتاب سے مراد سورت ہے یا قرآن - قرآن کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے - مطلب
یہ ہے کہ یہ ایسی کتاب کی آیات ہیں جو کامل کتاب بھی ہے اور عربی قرآن بھی ہے - حلال کو
حرام سے جدا کرنے والا اور ہدایت و گمراہی کو کھول کر بیان کر دینے والا - (مظہری - ت)

(الحمد للہ تیرھواں پارہ ختم ہوا - چودھواں پارہ شروع ہوتا ہے)

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا
وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ
اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○

(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے *
انھیں رہنے دیجئے وہ کھائیں (پئیں) اور عیش کریں اور غافل رکھے انھیں (جھوٹی)
امید - کچھ عرصہ بعد (حقیقت کو خود بخود) جان لیں گے * اور نہیں ہلاک کیا ہم نے
کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا * نہ آگے
بڑھ سکتی ہے کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ پیچھے رہ سکتی ہے (۱۵/۲ تا ۵ * ت ضیاء)

۲- یہ آرزوئیں یا وقت نزع عذاب دیکھ کر ہوں گی جب کافر کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ
گمراہی میں تھا یا آخرت میں روز قیامت کے شدائد اور اہوال اور اپنا انجام وہ مآل دیکھ کر -
زجاج کا قول ہے کہ کافر جب کبھی اپنے احوال عذاب اور مسلمانوں پر اللہ کی رحمت
دیکھیں گے ہر مرتبہ آرزوئیں کریں گے کہ "کاش مسلمان ہوتے" (صدر الافاضل - حاشیہ کنز)

۳- (اے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کافروں کو رہنے دیجئے کہ کھائیں
اور (دنیا کے) مزے اڑائیں اور (آخرت کی تیاری سے) ان کو (طول زندگانی کی) امید روکے
رہے (جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو) اپنی بدانجامی ان کو خود معلوم ہو جائے گی -

اس کلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ کافروں کے ایمان لانے سے آپ ناامید ہو جائیں اور یہ سمجھ
لیں کہ اللہ کے علم میں ان کافروں کی شقاوت لکھی ہوئی ہے اگرچہ اللہ نے ان کو نصیحت
کی ہے مگر یہ ایمان نہیں لائیں گے نصیحت سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ آیت میں اتمام
حجت بھی ہے اور عیش پرستی سے بازداشت بھی اور طول امید کے نتیجہ سے تحذیر بھی (مظہری۔ ت)

۴۔ یہاں یہ بتانا مطلوب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے تا قیامت تاخیر عذاب کیوں؟ اور
انہیں دوسری امتوں کے زمرہ میں کیوں داخل نہیں کیا گیا یعنی جیسے دوسری امتوں کو عجلت کے ساتھ عذاب میں
مبتلا کیا گیا ویسے انہیں (امت محمدی) کیوں نہیں مبتلا کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا اور ہم نے ہلاک نہیں کیا
عالم دنیا کی بستیوں میں سے کسی بستی کو، کسی گروہ میں دھنسا کر یا کسی کے مکینوں کو تباہ کر کے جیسے بہت
سی امتوں کے ساتھ ایسا ہوا کہ اس بستی کے مکین تباہ و برباد ہو گئے اور ساتھ بستیاں بھی مٹ گئیں یا
صرف ان کے مکینوں کو ہلاک کر کے جیسے بعض دوسری امتوں سے ہوا کہ بستیاں تو محفوظ رہیں لیکن
ان کے مکین ہلاک و فنا ہو گئے مگر حالات کہ ان کے متعلق حساب مقرر ہو لوح محفوظ میں مندرج تھی
کہ جس کی رعایت ضروری اور لازمی ہوتی ہے اس میں تبدیلی کا امکان بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ
اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ اسی طرح ہوتا ہے جیسے ان کے تو لوح محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے۔
معلوم ہے کہ اس سے نہ غفلت کی جا سکتی ہے اور نہ وہ بھلایا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق تقدم و
تاخر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (روح البیان۔ ت)

۔ یہاں اجل سے مراد تقدیر مبرم ہے جس میں تبدیلی قطعی ناممکن ہے۔ یونس علیہ السلام کی قوم
پر عذاب آیا مگر وہ ایمان لے آئی عذاب ٹل گیا۔ یہ تقدیر معلق کا تھا ابلیس نے اپنی درازی
عمر کی دعا کی جو مقبول ہو گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ۶۰ (ساٹھ)
کے سو سال ہو گئی یہ تمام تبدیلیاں قضا معلق میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی قوم اپنے
اختیار سے آگے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ اگر رب تعالیٰ ٹالنا چاہے تو وہ قادر مطلق ہے (نور العرفان)

لغوی اشارے ★ مُبِینٌ : اسم فاعل واحد مذکر مرفوع، کھول کر بیان کرنے والا ظاہر کرنے والا ●
ذَرْهُمْ : تو ان کو چھوڑ دے اس میں ھم ضمیر جمع مذکر غائب ہے ● یُلْهِهِمُ : واحد مذکر
غائب مضارع اِلْهَاءٌ مصدر (افعال) ھم مفعول ان کو غافل بنائے رکھے ● اَمَلٌ :
توقع، امید۔ آمالٌ جمع ● قَرْيَةٍ : واحد، قریٰ جمع، بستی اور بستی کے رہنے والے۔ قریٰ جمع
قیاسی نہیں صرف سماعی ہے کیونکہ فَعْلَةٌ کی قیاسی جمع فِعَالٌ کے وزن پر آتی ہے جیسے ظَبْيَةٌ کی
جمع ظِبَاءٌ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ اہل یمن قِرْيَةٌ اسی کی جمع قُرىً قیاسی ہے بہرحال
قرآن میں قَرْيَةٌ آیا ہے یہی فصیح ہے اس کے مقابلہ میں یمنی استعمال فصیح نہیں۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید ✶ سورہ الحجر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ الحجر لفظ اس سورت کی ۸۰ ویں آیت
میں ملتا ہے۔ حجر سے مراد قوم ثمود کا علاقہ ہے جو حجاز اور شام کی درمیانی زمین کا نام ہے جہاں
حضرت صالح مبعوث ہوئے۔ ارشاد ربانی ہے "اور بے شک جھٹلایا اہل حجر نے (اللہ تعالیٰ
کے) رسولوں کو۔ (۱۵/۸۰) اہل حجر نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان پیغمبروں کی تکذیب کی جن کو
حضرت صالحؑ نے سچا بتایا تھا۔ سورۃ الحجر میں ۹۹ آیات ہیں اور یہ سورت چھ رکوعات پر مشتمل ہے۔
کلمات بہ اعتبار تعداد ۶۵۴ اور اس کے ہی حروف ۲۷۶۰ حروف ہیں (ض) ● آیت یعنی علامت
نشانی۔ قرآن مجید کا ایک ٹکڑا (حصہ) جو پورا کلام ہو اور جس کے آخر پر وقف ہو اور اس کا کوئی خاص نام نہ ہو
علامہ جلال الدین سیوطی الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں کہ آیت قرآن کے ایک حصہ کا نام ہے
جو جملوں سے مرکب ہو جس کا مبدا اور مقطع ہو اور کسی سورت میں مندرج ہو (م م) علماء آیت کی
تعریف اس طرح کرتے ہیں۔ آیت قرآن کریم کے ایک ٹکڑے (حصے) کا نام ہے جو پورے مفہوم پر دلالت
کرے ✶ آیت۔ حکم خداوندی، پیغام الٰہی، دلیل، معجزہ۔ آیت کے معنی اصل میں ظاہری نشانی کے ہیں (لاق)
اسی اعتبار سے قرآن مجید کی آیت کو آیت کہتے ہیں کہ وہ گویا کلام کے ختم ہو جانے کی علامت ہے۔ یہ
یہ اعجاز قرآنی کی نشانی ہے اس لئے اس کو آیت کہا گیا۔ (س م ح ش)

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا
بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا
بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور بولے کہ اے وہ جن پر قرآن اترا بے شک تم مجنون ہو ✱ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو ✱ ہم فرشتے بیکار نہیں اتارتے اور وہ اتریں تو انہیں مہلت نہ ملے ✱ بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں ✱ اور بے شک ہم نے تم سے پہلے اگلی امتوں میں رسول بھیجے۔ (15/6 تا 10) ✱ ت: کنزالایمان

6۔ ان (کافروں اور مشرکین) کا یہ کہنا قرآن کی تصدیق کے لئے نہ تھا بلکہ مذاق کے لئے تھا یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے خیال اور دعوے میں یہ قرآن اترا۔ ورنہ کفار تو قرآن اترنے کے منکر تھے اسی لئے آگے فرمایا "یَسْتَهْزِءُوْنَ" (نورالعرفان)

● ان کا یہ قول تمسخر اور استہزاء کے طور پر تھا جیسا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا۔ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (26/27) (کنزالایمان حاشیہ)

7۔ اگر (تم) (نبوت کے دعوے میں) (سچے ہو) تو ہمارے سامنے (شہادت دینے کے لئے) فرشتوں کو کیوں نہیں لے (آتے) جو (تمہارے) دعویٰ کی صداقت کی شہادت دیں اور (تمہاری) تائید کریں۔ (مظہری ج…)

8۔ ہم فرشتوں کو حق کے موافق نازل کرتے ہیں یعنی جیسے ہماری حکمت کا تقاضہ ہو جس طرح سنتہ الہیہ کا اجراء ہوتا ہے تو فرشتے حق کے موافق ہو کر نازل ہوتے ہیں۔ باقی رہا کفار کے مطالبے کو پورا کرنا، یہ ضروری نہیں بلکہ ان کا یہ مطالبہ مبنی بر حقیقت نہیں بلکہ وہ تو بطور حقارت ایسا کہہ رہا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس لائق نہیں کہ ان کا مطالبہ پورا کیا جائے اس لئے کہ مطالبہ اس کا پورا کیا جاتا ہے جس کی کچھ قدر و منزلت ہو اور یہ لوگ تو ہمارے ہاں ذرہ برابر وقعت نہیں رکھتے۔ قطع نظر اس کے مطالبہ پورا کرنا ہی حکمت کا تقاضہ بھی ضروری ہے اور ان کے مطالبے ہی ہماری حکمت کا تقاضہ بھی نہیں پھر کیوں خواہ مخواہ ہم ان کی بات پوری کریں۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے سابقہ امتوں کے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب پر جو کارروائی کی تھی اگر ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اجراء تا قیامت کس طرح ہوتا۔ اگر فرشتے نازل ہوں تو پھر انہیں آنکھ جھپکنے کی دیر بھی مہلت نہ ملے جیسے دوسری امم کا حال ہوا

2A0R

کہ جو بھی انہوں نے رسل علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان سے استہزاء کیا تو فرشتے اترے اور تکذیب کو سمیٹنے بھی نہ دیا
آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی انھیں نیست و نابود کر دیا اگرچہ یہ بھی اسی عذاب کے استحقاق میں کچھ کم نہیں
لیکن چونکہ ہمارے قضا و قدر کے علم نے انہیں کے لئے قیامت تک عذاب کو موخر کر دیا ہے اس لئے اب
انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ میں ہے کہ
انہیں مہلت دے کر ان کے عذاب میں اضافہ کرے اور یہ اگر نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں لیکن ان
کی اولاد میں بعض ایسے خوش بخت پیدا ہوں گے جنہیں دولت اسلام نصیب ہوگی۔ (روح البیان ج)

۹۔ [illegible] الفاظ میں کفار کے اس اعتراض کا ابطال کیا جا رہا ہے۔ (جیسا کہ وہ قرآن پاک کے متعلق کیا
کرتے تھے)۔ فرمایا بلاشبہ ہم ہی نے اتارا ہے اسے (یعنی قرآن مجید) تین مرتبہ ضمیر متکلم کا بیک وقت
تکرار (انا۔ نحن۔ نزلنا) جس تاکید بالائے تاکید پر دلالت کر رہا ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں
اور ضمیر میں بھی جمع متکلم کا استعمال ہر نبی جو نازل کرنے والے کی عظمت و کبریائی کا اظہار کر رہی ہے یعنی
ہم جو سارے جہانوں کے خالق و مالک ہیں ہم جن کی فرمانروائی کا ڈنکا زمین و فلک، فرش و عرش پر
بج رہا ہے ہم نے اس کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں اب اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی
کا کوئی امکان نہیں (ضیاء القرآن)

● قرآن مجید ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس پیشین گوئی کے مطابق آج تیرہ
سو برس ہونے کو آئے (حضرت مفسر علیہ الرحمۃ نے جب تفسیر کی یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ آج کے حساب سے زائد از
چودہ سو بیالیس برس گزر چکے ہیں) قرآن حکیم ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمانوں کی
زبان پر یکساں ہے ایک نقطہ یا زیر زبر کا بھی فرق نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد (اقدس)
سے اب تک بلکہ قیامت تک حفاظ اور قراء اور علماء کی جماعتیں اس کی حفاظت پر کمربستہ ہیں
یہ قرآن کریم کا بڑا معجزہ ہے (تفسیر حقانی)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسکین دیتا ہے کہ جس طرح لوگ آپ کو جھٹلا رہے
ہیں اسی طرح آپ سے پہلے کے نبیوں کو جھٹلا چکے ہیں ہر امت کے رسول کی تکذیب ہوئی ہے اور ان سے مذاق کیا گیا ہے (ابن کثیر ج)

لغوی اشارے ✱ ذکر : ذکر، یاد، پند، نصیحت، بیان۔ ذکر یذکر کا مصدر ہے امام راغب
لکھتے ہیں " ذکر کبھی تو اس سے نفس کی وہ ہیئت مراد لی جاتی ہے کہ جس کے ذریعہ انسان
کے لئے جو کچھ معرفت حاصل کرے اس کا یاد رکھنا ممکن ہو اور یہ حفظ ہی کی طرح ہے مگر حفظ باعتبار
اس کے حصول کے بولا جاتا ہے اور ذکر باعتبار اس کے استحضار کے (یعنی حفظ یاد کرنے کے لئے) اور کبھی
کسی چیز کے دل میں یا گفتگو میں یاد آجانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ ذکر دو ہیں
ذکر قلبی اور ذکر لسانی اور پھر دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ایک بھولے پیچھے یاد آنا دوسرے بغیر
بھولے یاد رہنا بلکہ دائمی یاد رکھنا نیز ہر قول یعنی گفتگو اور بیان کو بھی ذکر کہا جاتا ہے یہاں

1403

ذکر سے مراد قرآن مجید ہے کیوں کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا ذکر ہے ● اَلْمُنظَرِيْنَ : اسم مفعول
جمع مذکر مجرور معرفہ المنظر واحد۔ مہلت دیے ہوئے، مہلت یافتہ ۔ منظرین اسم مفعول جمع مذکر
منصوب نکرہ منظرٌ واحد مہلت یافتہ۔ مہلت دیے گئے ● شِيَع : فرقے، گروہ، شِيْعَةٌ کی جمع (ل ا ق)

مفردات سورہ ✶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن خوانی نے اتنی فرصت نہ دی کہ وہ مجھ سے کچھ سوال کرتا، ایسے شخص کو میں اور سوال کرنے والوں سے عمدہ اور بڑھ کر دوں گا"۔

(ترمذی بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ)

قرآن پاک کی تلاوت سب سے افضل عمل ہے، اس کا اجر و ثواب بے حد و شمار اور قاری قرآن کے لئے دارین میں عظیم نعمتیں مختص ہیں اور جو پورے قرآن مجید کی تلاوت کرے اس طرح کہ اول سے آخر تک ختم کرے اور پھر دوبارہ شروع کرے، یہ عمل شریف اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حدیث شریف میں واضح فرمادیا گیا کہ کثرت تلاوت کے باعث سوال کرنے یعنی دعا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے نعمتوں کے مانگنے کی مہلت و فرصت نہ پانے والے کے لئے بہت عمدہ اجر ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ خالق کونین ایسے شخص کو بے مانگے اور بغیر طلب ہی کے اتنا نواز دے گا کہ مانگنے والے لوگوں سے زیادہ اور بڑھ کر ہوگا۔ قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر مداومت یعنی پابندی کے ساتھ تلاوت کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا نوید ہو سکتی ہے کہ خود خالق کونین ان کی قراءت کو سماعت فرماتا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ کسی چیز کو ایسا توجہ سے نہیں سنتا جیسا کہ وہ کسی بندے کی قراءت کو سنتا ہے، جب کہ کوئی بندہ آدھی رات کو قرآن پڑھتا ہے اور نمازی بندہ کے سر پر نیکی چھڑکی جاتی ہے، جب تک کہ وہ اپنے مصلی پر نماز میں رہتا۔ اور بندوں کو اللہ سے کسی چیز کی وجہ سے ایسی قربت نہیں ہوتی جیسا کہ اس کی وجہ سے قربت ہوتی ہے۔ اس سے قرآن مراد ہے۔ اسی سے حکم شروع ہوا اور اسی کی طرف واپس آئے گا"۔ (ترمذی)

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝

اور وہ یوں جب کوئی رسول ان کے پاس آتا تو اس سے تمسخر ہی کرتے رہے * اسی طرح سے ہم گنہگاروں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں * کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہ تو قدیم دستور چلا آیا ہے (۱۵/ ۱۱ تا ۱۳ * ت: حقانی)

۱۱۔ اور نہیں آیا ان امتوں میں کسی ایک کے پاس ایک (بھی) رسول مگر تھے وہ ان کے ساتھ استہزاء کرتے۔

* آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان جاہل کافروں کی باتوں سے ملال نہ کیجئے اس لئے کہ ہمیشہ جہال حضرات انبیاء علیہم السلام سے استہزاء کرتے آئے ہیں (روح البیان۔ت)

● اور جو پیغمبر بھی ان کے پاس پہنچا وہ اس سے استہزاء کرتے رہے جیسا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے اس جملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پیام تسلی ہے (مظہری۔ت)

۱۲۔ اسی طرح ہم یہ استہزاء ان مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں "المجرمین" سے مراد ہیں مشرکین مکہ یعنی جس طرح گزشتہ کافر امتوں کے دلوں میں ہم نے کفر و استہزاء کو داخل کر دیا تھا اسی طرح ان کے دلوں میں بھی ہم کفر و استہزاء کو داخل کرتے ہیں "سلک" (پرونا) ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا جیسے سوئی میں ڈورے کو اور زخمی میں نیزے کی نوک کو داخل کر دینا اس آیت میں فرقہ قدریہ کے قول کا رد ہے (فرقہ قدریہ قائل ہے کہ وہ اپنے افعال کا خود خالق ہے) آیت بتا رہی ہے کہ کافروں کے دلوں میں کفر و استہزاء کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے (تفسیر مظہری۔ت)

● اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جب دل پر ایمان کی مہر لگ جاوے وہاں نبی کی توہین، مذاق اور کفر داخل نہیں ہونے پاتا جہاں یہ مہر نہ ہو وہاں ہر چیز پہنچ جاتی ہے دوسرے یہ کہ ہر شے کا خالق رب ہے اگرچہ اسباب کے کسب کرنے والے ہم ہیں کفار کفر کا کسب کرتے تھے تو ان کے دل میں اس دل لگی کا خلق رب کی طرف سے ہوا جیسے کسی کو (کوئی) قتل کرے تو رب اس کی موت پیدا فرما دے۔ لہٰذا آیت صاف ہے (نور العرفان)

۱۳۔ "وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور اگلوں کی راہ پڑ چکی ہے" کہ وہ انبیاء کی تکذیب کر کے عذاب الٰہی سے ہلاک ہوتے رہے ہیں یہی حال ان کا ہے تو انہیں عذاب الٰہی سے ڈرتے رہنا چاہیئے (کنز الایمان حاشیہ)

لغوی الفاظ ہے * یَسْتَهْزِءُونَ: جمع مذکر غائب مضارع استہزاءٌ مصدر (استفعال) وہ مذاق بناتے تھے ہنسی اڑاتے تھے ● نَسْلُكُهُ: جمع متکلم مضارع (باب نصر) ہ ضمیر واحد غائب مفعول

ہم اس کو داخل کر دیتے ہیں۔ سلک ماضی (نصر) لازم ہے چلانا، متعدی ہے چلایا۔ داخل کیا (تاج)
● الْمُجْرِمِيْنَ: اسم فاعل جمع مذکر مجرور و منصوب۔ معرفہ المجرم واحد۔ کافر، گنہگار۔ ● خَلَتْ:
وہ گزر گئی۔ خلوٌ سے ماضی کا صیغہ، واحد مؤنث غائب ● سُنَّةُ: راہ، رسم، دستور، طریقہ جاریہ
اسم ہے سُنَنٌ جمع سنّ کا استعمال متعدد معانی میں ہوتا ہے منجملہ اس کے دستور جاری کرنے کے معنی
بھی ہیں۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ سنۃ النبی سے مراد وہ طریقہ ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
انتخاب فرماتے تھے اور سنۃ اللہ کا استعمال حق تعالیٰ کے دستور حکمت اور طریقہ طاعت کے لئے
ہوتا ہے * " یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور اللہ کے دستور میں تو کوئی تبدیلی نہیں پائے گا"
(۴۸/۲۳۔ ت/ضیاء) (اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ ہمیشہ سے جاری کر دیا ہے کہ اللہ کے انبیاء و اولیاء، اللہ کے
دشمنوں پر غالب رہیں گے اس نے ارشاد فرمادیا ہے " میں اور میرے رسول بلاشبہ غالب آئیں گے"
دوسری آیت میں آیا ہے "اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہوگا" تیسری جگہ ہے "اللہ کا گروہ ہی غالب
رہے گا") (اللہ تعالیٰ کا یہ معمول ہے کہ آخر کار اپنے رسول اور اس کے فرمانبردار امتیوں کو فتح و کامرانی
سے ہمکنار کرتا ہے۔ کفر و باطل کو شرمناک شکست ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ہمیشہ سے دستور ہے۔
تا ابد ایسا ہی رہے گا۔ کوئی طاقت سنت الٰہی کو بدل نہیں سکتی") اور یہ ارشاد بھی کہ " پس کیا
یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ کیا گیا تھا
(اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت
میں کوئی تغیر" (۳۵/۴۳) (سو کیا یہ لوگ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا
رہا ہے سو آپ خدا کے اس دستور کو ہرگز کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے۔ "سنت الاولین" یعنی پچھلے
کافروں کے ساتھ اللہ کا دستور عمل۔ اس سے مراد یہ ضابطہ الٰہی ہے کہ جب کافر کفر پر جمے رہے
تو اللہ نے ان کی بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ اللہ کا ضابطہ بدلتا نہیں اس میں تغیر نہیں آتا چنانچہ
سوا ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے کوئی کافر نہیں بچا سب ہی تباہ کر دیئے گئے)" اور
آپ خدا کے ضابطہ کو ہرگز منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے" (یعنی کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ضابطہ
ہلاکت تکذیب کرنے والوں کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف منتقل کر دیا جائے (کہ بجائے منکروں
کے دوسروں کو تباہ کر دیا جائے۔)" * یہ اس پر تنبیہ ہے کہ شریعتوں کے احکام فروعی کی
اگرچہ صورتیں مختلف ہیں لیکن جو غرض کہ ان سے مقصود ہے یعنی نفس کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کے
ثواب اور اس کے قرب تک رسائی کے لئے آراستگی وہ مختلف اور متغیر نہیں ہوتی۔ (لغات القرآن)
مفہومات مزید * اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی سے سرفراز فرما رہا ہے کہ
اے محبوب صرف آپ ہی کی تکذیب قوم والوں نے نہیں کی ہے بلکہ ہم نے جس قوم کی طرف ہدایت کے لئے نبی و رسول

مبعوث فرمایا تو اس کی قوم والوں نے بجائے اس کے کہ نبی کی بات سنتے، دعوتِ حق قبول کرتے اور تعلیماتِ حق سے اپنے لئے سامانِ راحت و نجات کرتے الٹا ان کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ مذاق کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں کئی جگہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ "اور (اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کفارِ مکہ) اگر آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو (آپ رنجیدہ نہ ہوں غم نہ کریں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے) ان سے پہلے بھی قوم نوح (نوح علیہ السلام) کو اور قوم عاد (ہود علیہ السلام) کو اور قوم ثمود (صالح علیہ السلام) کو اور قوم ابراہیم (ابراہیم علیہ السلام) کو اور قوم لوط (لوط علیہ السلام) کو اور مدین والے (شعیب علیہ السلام) کو جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے۔" (۲۲/۴۲ تا ۴۴) یہ ان ناعاقبت اندیش بدنصیبوں کی پرانی عادت ہے کہ ان کے پاس جب کوئی رسول آتے تو وہ ان کے ساتھ تمسخر کیا کرتے۔ جب انہیں اپنے رسولوں کے ساتھ استہزاء کرتے اور تکذیب کرتے تو یہ قانونِ قدرت بھی جاری رہا کہ ان گستاخ اور تکذیب کرنے والوں کی ہلاکت، نزولِ عذاب اور ان کی تباہی و بربادی ہوتی رہی۔ یہ دستور چلا آرہا ہے کہ انبیاء کی تکذیب عذابِ الٰہی کا سبب اور ہلاکت و بربادی کی وجہ بنتی ہے۔ (س م ح ش)

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوٓا
إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝ وَلَقَدْ جَعَلْنَا
فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝

اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں اوپر چڑھتے رہتے * پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے * اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے۔ (۱۵/۱۴، ۱۵، ۱۶ * ت: ضیاء)

۱۴۔ اور اگر ان (طلبگاران آیت) پر ہم آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور (فرشتے) اس میں چڑھنے لگیں یعنی ان کافروں کو اپنی آنکھوں سے فرشتے چڑھتے دکھائی دیں * حسن نے کہا "یَعْرُجُونَ" اور "ظَلُّوا" کی ضمیریں کافروں کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی کافر خود آسمان کی طرف چڑھنے لگیں اور دن کی روشنی میں عجائب آسمانی دیکھتے رہیں۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

● وہ جو کہتے ہیں کہ معجزہ کے طور پر فرشتے کیوں نہیں آتے، فرشتے تو کیا اگر ہم ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتے اور سیڑھی لگا دیتے کہ جس سے چڑھ کر وہاں کے حالات دیکھ آتے (یا یہ معنی کہ آسمان کے دروازوں سے فرشتوں کو چڑھتے اترتے دیکھتے) (تفسیر حقانی)

● ان (کافروں) کی سرکشی، عناد، ہٹ، خود بینی اور باطل پرستی کی تو یہ کیفیت ہے کہ بالفرض اگر ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول بھی دیا جائے اور انہیں وہاں چڑھا دیا جائے تو بھی یہ حق کو حق کہہ کر نہ دیں گے (نہیں کہیں گے)

۱۵۔ بلکہ اس وقت بھی یہ ہانک لگائیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے آنکھیں بہکا دی گئی ہیں جادو کر دیا گیا ہے نگاہیں چھین لی گئی ہیں دھوکا ہو رہا ہے بے وقوف بنایا جا رہا ہے (ابن کثیر۔ ت)

● اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جس دل میں نبی کی عداوت ہو اسے ایمان کی توفیق نہیں ملتی، جب ایمان ملنے والا ہوتا ہے تو پہلے نبی کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور جب دل میں عناد ہو تو کوئی معجزہ اسے کار گر نہیں ہوتا۔ (نور العرفان)

۱۶۔ ہم نے پیدا کیا آسمان میں بروج۔ یعنی ایسے محلات جہاں ستارے اترتے ہیں اور وہ ساتوں آسمانوں میں ہیں۔ اور ہم نے اسے سنگارا۔ یعنی ان بروج کو مختلف شکلوں میں تیار کیا اور ستاروں کو بھی مختلف صورتوں میں پیدا کیا وہ سیارے ہوں یا ثوابت۔ کل ستارے آسمان کا

منگھار ہیں جیسے زمین کے لئے ہیں وہ زینت ہیں۔ دیکھنے والوں کے لئے یعنی ہر اس شخص کو وہ کھلے معلوم ہوتے ہیں جو انھیں دیکھتا ہے یہ ظاہری معنی ہیں اور شریعت میں ناظرین بمعنی متفکرین (تفکر کرنے والے) معتبرین (عبرت پکڑنے والے) المستدلین (اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی بہترین حکمت پر استدلال کرنے والے) مراد ہیں اس معنی پر تزیین بمعنی نظام بدیع پر ترتیب دینا وہ انتظام بدیع آثار حسنہ کے تابع ہے ناظرین کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ صرف وہی لوگ اس سے نفع پاتے ہیں باقی لوگوں کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

لغوی اشارے ✶ **فَتَحْنَا** : جمع متکلم ماضی معروف فَتْحٌ مصدر۔ مخصوص طور پر کھول دینا مراد ہے ●

سَمَآءِ : آسمان، ابر، بارش۔ امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں "ہر شے کا جو بالا ہے وہ سماء ہے بعض نے کہا ہے کہ ہر سماء اپنے نیچے کی نسبت سے سماء اور اپنے اوپر کی نسبت سے ارض ہے بجز سماءِ علیا کے کہ وہ سماء ہی ہے ارض نہیں ہے اور سورۃ الطلاق میں آیت شریف ہے " اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کے برابر زمین ... ۱۲/۶۵ ✶ نیز مطر (بارش، مینہ) کو سماء سے موسوم کیا گیا کیوں کہ وہ اسی سے نکلتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب تک زمین پر نہ گرے سماء سے موسوم ہے یہ اسی اعتبار سے ہے جو سابق میں مذکور ہوا اور نبات (ہر اُگنے والی چیز) کا نام سماء یا تو اس بنا پر رکھا گیا کہ وہ مطر سے جو کہ سماء ہے وجود میں آتا ہے اور یا اس لئے کہ زمین سے مرتفع ہوتا ہے۔ اور وہ سماء جو ارض کے مقابل ہے مؤنث ہے اور کبھی سماء مذکر بھی آتا ہے اور واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ● **ظَلُّوْا** : وہ سارے دن رہے، وہ ہو گئے، وہ لگے ظَلَّ، ظَلُوْل سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ● **يَعْرُجُوْنَ** : جمع مذکر غائب مضارع عُرُوْجٌ مصدر (نصر) وہ چڑھنے لگیں ● **سُكِّرَتْ** : اس کی نظر بندی کر دی گئی تَسْكِيْرٌ سے جس کے معنی نظر بندی کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ● **مَسْحُوْرُوْنَ** : اسم مفعول جمع مذکر مرفوع۔ مَسْحُوْرٌ واحد سِحْرٌ مصدر وہ لوگ جن پر جادو کر دیا گیا ہو، دھوکہ میں پڑے ہوئے ● **زَيَّنّٰهَا** : ہم نے اس کو رونق دی، ہم نے اس کو زینت دی اس میں ھا ضمیر واحد مؤنث غائب ہے

(لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ سورۃ الحجر کی سولہویں آیت میں لفظ بروجًا آیا ہے بروج ... برجیں اور اس کا واحد برج ہے جس کے معنی بلند عمارت اور محل کے ہیں۔ آسمان کی برجوں سے کیا مراد ہے اس کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر موضح القرآن میں سورہ فرقان کے فوائد میں رقمطراز ہیں کہ "آسمان کے بارہ حصے ہیں ان کا برج ہے اگر پر ستاروں سے یہ حد ہیں رکھی ہیں حساب کو۔ اور سورہ حجر کے فوائد میں ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں "حق تعالیٰ ستاروں سے وہ خطاب کرتا ہے جو ہمکمیں ان کے عرف میں آسمان مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق بارہ کھانکیں ہیں جیسے خربوزہ، وہی بارہ برج ہیں اور سورج ہر مہینے دن میں سب طے کرتا ہے تو موسم گرمی اور سردی اس سے بدلتا ہے اور

گرہا سے سینۂ آفتاب اور سینے سے دنیا بستی ہے اور رونق آسمان کی ستارے ہیں۔ (م ق) جو کواکب سیارہ
کے منازل ہیں وہ بارہ ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس
جدی، دلو، حوت (ک ح) ● یہاں ہر برج سے منفرد روشن کواکب ہیں (ت ق) اور اسی آیت میں فرمایا۔
وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ خالق حقیقی نے مخلوق پر بسیط ہوئی فضا کو اس طرح بنا دیا کہ ناظرین کے لئے ایک
دلفریش کن کیفیت اور تسکین نظر کا سامان ہو۔ کائنات کے تمام مظاہر و موجودات کو صناع ازل نے حسن فطرت سے
آراستہ کر کے ایسا بنا دیا کہ ہر ایک میں حسن و جمال کی تمام تر کیفیات نظر نوازی کیا کرتی ہیں۔ یہ ارحم الراحمین
کی عطاء، رحمت، فیضان اور کرم ہے وہ احسن الخالقین ہے حسن نے جو چیز بھی بنائی اور جب بھی وجود بخشا
اسے حسن و جاذبیت کی دولت لازوال سے نواز دیا۔ اگرچہ اس کی بنائی ہوئی ہر چیز آراستہ ہے یہاں
اگر صرف آسمان کو دیکھیں تو بخوبی اندازہ ہوتا کہ کس قدر بلندی، رفعت اور جاذب نظر اور خوب ہے
دن میں آفتاب کی روشنی اور راتوں میں ستارے اور چاندنی کی دل افروز کیفیت ناظرین کی توجہات سمیٹی رہتا
ہے۔ صبح کا منظر ہو کہ شام کے وقت کی سحر کن حالت، موسموں کا تغیر و تبدل اور ان کے باعث اثر
ہونے والے نظارے، بادلوں کا سفر، بارش کا حسین منظر ہو کہ (قوس قزح یا) صاف و شفاف آسمان، شفق کی دلفریب
سرخیاں اور فلک کا نیلگوں رنگ، یہ سب کچھ نگاہوں کو تسکین بخشنے والی زینت ہے جو عطاء رب العالمین ہے۔

(س م ح ش)

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝

اور اسے ہم نے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا * مگر جو چوری چھپے سننے جائے تو اس کے پیچھے پڑتا ہے روشن شعلہ * اور ہم نے زمین پھیلائی اور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی ۔ (۱۵/۱۷تا۱۹ * ث اکبر)

۱۷۔ اور ہر شیطان مردود سے آسمان کو محفوظ کر دیا ہے کوئی شیطان آسمان والوں کو بہکانے یا وہاں کے احوال معلوم کرنے یا وہاں کے انتظام میں دخل دینے کے لئے نہیں چڑھ سکتا * بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول لکھا ہے کہ پہلے آسمان تک پہنچنے سے شیطانوں کی روک ٹوک نہ تھی وہ جا کر آسمانوں کی خبریں لاتے اور کاہنوں کے دلوں میں القاء کرتے تھے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو تین بالائی آسمان پر جانے سے شیطانوں کو روک دیا گیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارک ہوئی تو باقی چاروں آسمانوں تک جانے کی بھی ممانعت کر دی گئی اب جو کوئی شیطان چوری چھپے (اوپر جا کر) کوئی خبر سن پاتا تھا فوراً اس پر (ٹوٹنے والا ستارہ بہ شکل) انگارا مارا جاتا تھا، ان شیطانوں کی جب یہ کامل بندش ہو گئی تو انہوں نے اس کی شکایت ابلیس سے کی ۔ ابلیس نے کہا زمین میں یقیناً کوئی نیا حادثہ ہوا ہے جا کر دیکھو شیطان زمین پر آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن تلاوت کرتے پایا کہنے لگے واللہ یہی نئی بات پیدا ہوئی ۔ (تفسیر مظہری ۔ ت)

۱۸۔ مگر وہ (شیطان) جو باتوں کو چرا لاتا ہے پس اس کے پیچھے آگ کے شعلے لگتے ہیں: علی بن عبداللہ، سفیان، عمرو، عکرمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے، تو وہ (فرشتے) عاجزی کے ساتھ اپنے پر مارنے لگتے ہیں اور غور سے سنتے ہیں اور زنجیر کی جھنکار سی نکلتی ہے، جب فرشتے حکم الٰہی کے خوف سے کچھ بے غم ہوتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا ہے تو دوسرے کہتے ہیں جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بلند و بالا و برتر ہے ۔ علی کہتے ہیں سفیان نے کہا کہ فرشتوں کی باتیں شیطان چوری سے اڑاتے ہیں اور یہ شیطان اس طرح تلے اوپر رہتے ہیں اور انگلیوں کا اشارہ کرتے ہوئے بتایا، پھر بھی فرشتے خبر ہوتے ہیں آگ کا شعلہ پھینکتے ہیں اور وہ شعلہ باتیں سننے والوں کو قبل اس کے کہ وہ اپنے ساتھ والوں کو بتلائے جلا ڈالتا ہے، کبھی اس شعلہ کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ

1411

اپنے ساتھی کو بتا دیتا ہے اور اس طرح یہ باتیں زمین تک آجاتی ہیں۔ پھر ان باتوں کو نجومی کے منہ پر ڈالا جاتا ہے اور وہ اس میں ایک سو جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے تو کوئی بات اس نجومی یعنی جادوگر کی صحیح نکل آتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو اس نجومی نے ہم سے یہ کہا تھا لہٰذا اس کی بات صحیح نکلی حالانکہ یہ وہی بات ہے جو آسمان سے اڑا لی گئی تھی۔ (کتاب التفسیر، صحیح بخاری)

۱۹۔ انسان کو کرۂ ارض پر غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے جہاں وہ اپنی زندگی کی مدت پوری کرتا ہے۔ فرمایا اس زمین کو دیکھو ہم نے اسے کتنا کشادہ کر دیا۔ اربوں کی تعداد میں تو صرف انسان یہاں بستے ہیں پھر ان ہی کے رہنے کے مکان ہیں۔ کھیتیاں ان کی وسیع سیرگاہیں ہیں۔ اس کے مزروعہ رقبہ کا شمار بھی کوئی آسان بات نہیں۔ انسان کے علاوہ ان گنت قسم کے پرند چرند کے لاتعداد افراد کا بھی یہ مسکن ہے اس کی کشادگی کا اندازہ کرنا ہو تو ذرا ان صحراؤں کو دیکھو جو ہزاروں میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر یہ بلند و بالا پہاڑ جو زمین میں کیل کی طرح ٹھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی زمین میں سمائی ہوئی ہیں اور پھر بھی زمین کا بیشتر حصہ غیر آباد ہے۔ تو جس قادرِ مطلق نے اتنی وسیع زمین بنائی ہے اور اس میں تمہاری آسائش کے لئے ہر ضروری سامان مہیا کر دیا ہے اس کی ربوبیت اور وحدانیت کا انکار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ✱ علامہ زمخشری نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہر چیز کو حکمت کے میزان پر تولا گیا ہے اور ہر چیز کو اتنی ہی مقدار بخشی گئی ہے جو اس کے لئے مناسب ہے اس میں نہ زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کا احتمال (بحر) اب اگر آپ کسی چیز پر سرسری نظر ہی ڈالیں تب تو آپ کو اس کی میزانِ حکمت کا احساس ہو جائے گا۔ ہر چیز کے لئے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ نباتات ہو یا جمادات۔ معین مقدار اور مخصوص خاصیتیں رکھ دی ہیں جن میں کسی رد و بدل آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ گندم کے پودے پر انار کے دانے نہیں لگ سکتے۔ چڑیا کی جو شکل اور حجم مقرر ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ شتر جیسے قوی جانور کے لئے بھی قد و قامت کا ایک خاص پیمانہ مقرر ہے جس سے وہ آگے تجاوز نہیں کر سکتا شیر بڑھ کر ہاتھی کا جسم اختیار نہیں کر سکتا اور ہاتھی اپنے جسم کو گھٹا کر بلی کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ ہر چیز کے لئے ایسے مضبوط قوانین اور معین پیمانے مقرر ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (ضیاء القرآن)

لغوی اشارے ✱ رجیم: ملعون، مردود، راندہ ہوا رجم سے بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی مرجوم ہے شیطان چونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے راندہ ہوا اور مردود ہے اس لئے یہ اس کی مخصوص صفت ہے اور قرآن مجید میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی کی صفت میں آیا ہے ● شہاب: انگارا، فضا میں جو تارا ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ ابن السکیت اور ابوالہیثم سے انگارے ہی کے معنی منقول ہیں اور راغب نے شہاب کے معنی اس چمکدار شعلے کے بتائے ہیں جو بھڑکتی ہوئی آگ میں یا فضا میں

اس کا اظہار ہوتا ہے ● اِسْتَرَقَ: اس نے چرایا۔ اِسْتِرَاقٌ سے جس کے معنی چرا لینے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد
مذکر غائب ● رَوَاسِیَ: بوجھ، پہاڑ۔ "رواسی" کا استعمال عموماً بڑے بڑے پہاڑوں کے لئے ہوتا ہے۔ (ل ق)

معلومات مزید ✶ شیطان کو رجیم اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ آسمانوں کی طرف چڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے چنگاریاں مار مار کر نیچے پھینکا جاتا ہے وہ آسمانوں پر چڑھ کر اہل آسمان میں تعرف کرنا اور ان کے احوال معلوم کرنا چاہتا ہے۔ (ہر شیطان سے پناہ مانگنا چاہیے خواہ وہ ایذا پہنچائے یا نہ۔ کیونکہ وہ بنی آدم کے ساتھ ہر آن عداوت رکھتا ہے اس لئے بنی آدم کو ان سے چوکنا رہنا چاہیے۔) ✶ شیطان یعنی سرکش، شریر۔ "محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں: "عربی زبان میں ہر سرکش شیطان ہے جن میں سے ہو انسانوں میں سے ہو، جو چوپایوں میں سے ہو خواہ ہر شے میں سے ہو۔ ہر شے جو سرکش ہو شیطان ہے اس لئے موسوم کیا گیا کہ اس کے اخلاق اور افعال اپنے تمام ہم جنسوں کے اخلاق اور افعال سے جدا ہو گئے ہیں اور وہ خیر سے بعید ہوتا ہے۔ ✶ عرف میں شیطان سے مراد ابلیس علیہ اللعنۃ ہے اور جب الشیطان الف لام کے ساتھ کہا جائے" تو یہی مراد ہوتا ہے جس طرح کہ ابلیس اس کا نام اس لئے ہوا کہ "اِبلاس" کے معنی ناامید ہونے کے ہیں اور وہ رحمت حق سے ناامید ہے اسی طرح شَطَنٌ کے معنی دور ہونے کے ہیں اور شیطان نیکی سے دور ہے۔ شَاطَ یَشِیْطُ کا استعمال غصہ میں جلنے بھننے کے لئے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔ (مسم ح ش)

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ ۝ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝

اور اس میں تمہارے لئے روزی کے سامان رکھے اور ان کے لئے بھی کہ جن کے تم روزی دینے والے نہیں * اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم صرف اس کو ایک اندازہ معین سے نازل کرتے ہیں * اور ہم نے بوجھل ہوائیں چلائیں پھر آسمان سے پانی اتارا پھر وہ تمہیں پلایا حالانکہ تم اس کے خزانہ دار نہیں۔ (۱۵/۲۰ تا ۲۲ * ت: حقانی)

۲۰۔ اور زمین میں یا پہاڑوں میں ہم نے تمہارے لئے اسباب زندگانی پیدا کئے۔ کھانے پینے کی چیزیں، لباس کی چیزیں، دوائیں۔ "معایش" معیشت کی جمع ہے دنیوی زندگی کے اسباب۔ "اور ان (چوپاؤں) کو بھی ہم نے پیدا کیا جن کو تم رزق دینے والے نہیں (ہم ہی رزق دیتے ہیں) * اس جگہ لفظ مَن (جو عربی زبان میں صرف عقل والی مخلوق کے لئے وضع کیا گیا ہے جیسے انسان، فرشتہ، جن) بمعنی مَا کے ہے (کیونکہ اس جگہ چوپائے مراد ہیں اور چوپائے عقل والے نہیں قرار دیئے جاتے) اسی طرح آیت فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ میں مَن سے مراد جانور ہیں اس آیت میں بھی مَن بمعنی مَا کے ہے۔

بعض علماء نے کہا مَنْ سے مراد بال بچے، خادم، غلام، باندی اور چوپائے وغیرہ ہیں اہل کفر خیال کرتے تھے کہ ان سب کو ہم کھلاتے پلاتے ہیں اور پرورش کرتے ہیں آیت میں اس کی تردید کر دی گئی اور فرمایا ہم ان کو رزق دیتے ہیں۔ بعض علماء نے اس طرح ترجمہ کیا ہے، ہم نے تمہارے اور ان کے لئے جن کے تم رازق نہیں ہو اسباب زندگانی پیدا کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات میں اپنی ہستی کمال قدرت، ہمہ گیر حکمت، استحقاق الوہیت اور توحید ذاتی وصفاتی کے لئے مذکورہ اشیاء کی تخلیق کو پیش کیا ہے اور بندوں کو اپنے انعامات کی یاد دہانی کی ہے تاکہ لوگ دوسروں کو اس کا شریک نہ بنائیں اور تنہا اسی کو معبود سمجھیں، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں کفران نعمت نہ کریں۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۲۱۔ اشیاء ممکنہ میں سے کوئی شے ایسی نہیں مگر ہمارے ہاں یعنی ہمارے فرمان کے تابع ہیں۔ خَزَآئِنُهٗ اس کے خزانے۔ یہ خزانہ کی جمع ہے بمعنی مخزن۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں نفیس مال محفوظ کیا جائے۔ عرف عام میں ملوک وسلاطین کے وہ مخفی خزانے مراد ہیں جہاں رعایا کے رزق چھپائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدورات کو

خزانوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کے خزانہ عوام کی معلومات سے پوشیدہ ہیں اور وہاں کسی کی دستبرد
کی ہمت نہیں یا چونکہ خزانوں کو ان کی کنجی ضرورت ہے اور ان کی وہ اہمیت بھی رکھتے ہیں پوشیدگی
کے لحاظ سے بھی یہ تشبیہ ہے اس لئے کہ وہ مقدورات صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہیں کہ جب
چاہے موجود ہو سکتی ہیں گویا وہ اس قدر تیار رکھی ہیں کہ بمجرد ارادۂ الٰہی کے وہ موجود ہو جاتی ہیں اور انھیں
بادشاہوں کے خزانوں کے نفیس اموال سے بھی اسی معنی پر تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا
اسی تقریر پر خزائنہ میں استعارہ تخییلیہ ہے * اور ہم کسی شے کو نہیں اتارتے یعنی پیدا نہیں
کرتے مگر درانحالیکہ وہ شے مقدار معلوم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے یعنی جس طرح حکمت کا
تقاضہ ہوتا ہے وہ شے اسی کی حکمت کے تابع ہو کر پیدا ہو جاتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نقص
وعیب کا شائبہ تک نہیں اس لئے ہر وہ شے جو پیدا ہوتی وہ علم الٰہی کے تقاضوں کے مطابق ہوتی۔
* چونکہ فیض الٰہی کے نزول کا مرکز عالم علوی ہے اور اشیاء کا ورود عالم سفلی کی طرف ہوتا ہے
اسی لئے اسے تنزل سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بقدر معلوم کا مطلب
یہ ہے کہ بارش کے اندازے کو بارش کے نگران فرشتے جانتے ہیں کہ کس مقدار اور کس پیمانے پر بارش
نازل کرنی ہے۔ طوفان نوحؑ کے وقت اوزان اور پیمانے کا تصور ختم ہو گیا تھا یہ طوفان
مسلسل چالیس روز تک رہا * بحر العلوم میں ہے کہ ہر وہ شے جس سے بندہ نفع پا سکتا ہے
اس کی تخلیق و تکوین پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اور جسے جتنا عطا فرماتا ہے وہ اس کے لائق ہوتا ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ بندہ اس مقدار سے زیادہ کا اہل نہیں ہے وہی جانتا ہے کہ بندوں کے لئے
کون سی اور کتنی نعمتیں بہتر اور ان کے نفع کے قریب تر ہیں۔ (روح البیان۔ ت)

۲۲۔ قرآن شریف میں رحمت کی ہوا کو ریاح اور قہر کی ہوا کو ریح فرمایا جاتا ہے " جو ہوا بارش لانے والی
ہے وہ بھی افضل ہے کہ رحمت کی پیش رو ہے " اس لئے ان ہواؤں کے چلتے وقت دعا مانگنا بہتر ہے " اور
غضب کی ہوا چلتے وقت رب کی پناہ مانگنا چاہئے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے * بارش کا پانی جو
آسمان کی طرف یا آسمانی اسباب گرمی وغیرہ سے آتا ہے لہٰذا آیت پر فلاسفہ اعتراض نہیں
کر سکتے اس بارش کی برکت سے کنوؤں چشموں میں پانی بڑھتا ہے اور بعض جگہ وہی پانی پیا جاتا ہے (نور العرفان)

لغویات رب * مَعَایِش: جمع ، مَعِیشَۃٌ واحد ، سامان زندگانی ● خَزَآئِنُہٗ: اس کے خزانہ
خَزَائِنُ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ● رِیَاحٌ: ہوائیں ، رِیْحٌ کی جمع ۔ واضح
رہے کہ قرآن مجید میں جہاں " ارسال ریح " کا تذکرہ ہے ، اگر بلفظ جمع ہے یعنی ریاح کا لفظ استعمال
ہوا ہے تو وہاں عام طور پر رحمت کی ہوائیں مراد ہیں اور اگر ریح یعنی واحد کا لفظ استعمال ہوا ہے تو
عذاب کے معنی مراد ہیں۔ امام سیوطی اتقان میں قرآن مجید کے قاعدہ افراد و جمع کا ذکر کرتے ہوئے

2415

رقمطراز ہیں : قرآن میں اس قاعدہ سے ریح ہے کہ وہ جمع ہو کر بھی مذکور ہے اور مفرد ہو کر بھی، پس جہاں وہ سیاق
رحمت میں ذکر کی گئی ہے جمع ہو کر مستعمل ہوئی ہے اور جہاں سیاق عذاب ہی آئی ہے مفرد لائی گئی ہے ●
لَوَاقِحَ : جمع لاقح اور لاقحۃ مفرد، باردار، حاملہ، یعنی وہ ہوائیں جو پانی سے بھرے ہوئے (لقح)
ابر کو لیے ہوئے حمل کے اٹھائے ہیں (مدارک) ● فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ : ہم نے تم کو اسے پلا دیا۔ اس میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ہے
معلومات مزید ✶ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے ان سب کو اپنی نعمتوں
سے نواز دیا۔ وہ رب العلمین ہے اپنی تمام مخلوقات کا حقیقی پروردگار ہے وہ نہ صرف یہ کہ انسانوں
معیشت یعنی ساز و سامان حیات سے سرفراز کیا بلکہ ان اور مخلوقات کی پرورش کے لئے رزق مہیا کر دیا
جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی روزی بہم نہیں پہنچا سکتا ● اللہ تعالیٰ کے خزائن غیب میں ہر چیز اس قدر وافر موجود ہے
جس کا انسانی ذہن ادراک نہیں کر سکتا زمین اور آسمان کی ہر چیز ہر نعمت خواہ نباتات ہوں کہ [illegible]
یا بارش ہو الغرض ہر اللہ کا اختیار ہے، غلبہ، تصرف ہے اسی کے تابع حکم و ارادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز معین مقدار و اندازہ
سے نازل فرماتا ہے اور وہ وہی خوب جانتا ہے کہ کونسی چیز، کب، کتنی، کتنی مناسب ہے ● حضرت عبداللہ
بن عباسؓ سے مروی ہے کہ "جب کبھی کوئی تیز ہوا چلتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً" دو زانو بیٹھ کر
دعا کرتے تھے " اے اللہ اس کو رحمت بنا دے عذاب نہ بنا اے اللہ اس کو رحمت کی ہوائیں کر دے
عذاب کی آندھی نہ کر دینا " (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں رحمت کی ہواؤں کے لئے لفظ ریاح
بصیغۂ جمع اور عذاب کی آندھی کے لئے لفظ ریح استعمال فرمایا ہے) (طبرانی) (س م ح ش)

وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ○ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ○ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○ ع

اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہیں * اور یقیناً ہم جانتے ہیں ان کو بھی جو گزر چکے ہیں تم میں سے اور یقیناً ہم جانتے ہیں بعد میں آنے والوں کو * اور بے شک آپ کا (رب) ہی وہ اٹھائے گا انہیں (روز قیامت) جمع کرے گا بے شک وہ بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۱۵/۲۳ تا ۲۵ * ت: ضیاء)

۲۳۔ اور ہم ہی اجسام میں حیات پیدا کرتے ہیں اور ہم ہی اجسام سے حیات کو فنا اور زائل کرتے ہیں۔ اور کبھی احیاء اور اماتت کو عام رکھا جاتا ہے جو حیوانات و نباتات دونوں کو شامل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو قدرت (حاصل) ہے کہ حیوانات میں حیات اور نباتات پر بارش برسا کر موسم بہار میں تازگی بخشتا ہے اور موسم خزاں میں ان سے خشکی اور تازگی ختم کرکے انہیں بے رونق کر دیتا ہے اور اہل ایمان کو ایمان سے زندگی بخشتا ہے اور اہل کفر کو کفر میں مبتلا کرکے ان کے قلوب کو مردہ بنا دیتا ہے یا یہ معنی ہے کہ طاعات و عبادات سے ہم تمہیں زندہ کرتے اور متابعت شہوات سے ہم تمہیں مارتے ہیں * اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ وارث کا معنی باقی ہے اور میت کے وارث کو بھی اسی معنی پر وارث کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے مورث کے مرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ہی تمام مخلوق کی فنا کے بعد باقی اور تمام مجازی مالکوں کے مرنے کے بعد ہم ہی ہر شے کے واحد مالک ہیں اسی معنی پر ہم اولاً و آخراً ہر طرح مالک ہیں۔ فنا کے بعد کسی کو کسی شے پر تصرف کا حق نہیں نہ صورۃً نہ مجازاً (روح البیان۔ ت)

۲۴۔ اور ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تمہارے پچھلوں سے بھی واقف ہیں۔ یعنی ہم سے تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ سابق آیت میں اپنی قدرت کاملہ کی دلیل بیان کی تھی اس آیت میں اپنے علم کی ہمہ گیری کا اظہار فرمایا جو قدرت کی دلیل ہے اسی سے قدرت ثبوت ہو جاتا ہے (قدرت بغیر علم کے ناممکن ہے) بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا مستقدمین سے مردے اور مستاخرین سے زندے مراد ہیں۔ شعبی نے کہا اگلے پچھلے لوگ مراد ہیں عکرمہ کا قول ہے کہ مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور اپنے آباء کی پشت سے برآمد ہو گئے ہیں اور مستاخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے نہ اپنے باپوں کی پشت سے باہر آئے مجاہد کے نزدیک گزشتہ اقوام مستقدمین ہیں اور امت محمدیہ مستاخرین سے مراد ہے حسن نے کہا طاعات و خیر میں آگے بڑھنے والے مستقدمین ہیں اور طاعت و خیر میں سستی کرنے اور پیچھے رہنے والے مستاخرین ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ مستقدمین اور مستاخرین سے مراد نمازیوں کی اگلی پچھلی صفیں ہیں۔ ابن مردویہ
کا بیان ہے کہ داؤد بن صالح نے حضرت سہل بن حنیف انصاری سے دریافت کیا، کیا یہ آیت جہاد
کے سلسلے میں نازل ہوئی (یعنی مستقدمین و مستاخرین سے کیا مجاہدین مراد ہیں) حضرت سہل
نے فرمایا نہیں اس کا نزول نمازیوں کی صفوں کے متعلق ہوا تھا۔ مقاتل کے نزدیک جہاد کی
صفوں میں آگے پیچھے رہنے والے مراد ہیں۔ ابن عیینہ کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جو مسلمان
ہو چکے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے۔ اوزاعی کے نزدیک اول وقت اور آخر وقت نماز پڑھنے
والے مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۲۵۔ ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تمہارا پروردگار جزاء عمل کے لئے انہیں اپنے حضور جمع کرے گا کیونکہ
تمام باتوں کی طرح اس بات کے لئے بھی اس نے ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہے وہ حکیم و علیم ہے
اور جب وہ حکیم ہے تو ممکن نہیں کہ اس نے انسانوں کے اعمال کے لئے کوئی اندازہ نہ ٹھہرایا ہو
اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ ان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں۔ (ترجمان)

لغوی اشارات ✶ نُحْيِي: جمع متکلم مضارع إحياءٌ مصدر باب افعال۔ ہم زندہ کرتے
ہیں۔ ہم سرسبز کرتے ہیں کاشت کے قابل بناتے ہیں ● نُمِيتُ: جمع متکلم مضارع إماتةٌ
مصدر (افعال) ہم ہی موت بھیجتے ہیں، ہم ہی مارتے ہیں ● الْوَارِثُونَ: اسم فاعل جمع مذکر
مرفوع الوارث واحد۔ باقی رہنے والے۔ مالک ✶ الْوَارِث: اسم فاعل واحد مذکر مجرور۔ وہ
شخص جو کسی کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ کا حصہ دار ہوتا ہے ● الْمُسْتَقْدِمِينَ: اسم فاعل جمع
مذکر منصوب الْمُسْتَقْدِم واحد اِسْتِقْدَام مصدر باب استفعال۔ اگلے لوگ، پہلے زمانہ میں گزرے
ہوئے لوگ ● الْمُسْتَأْخِرِينَ: اسم فاعل جمع مذکر منصوب الْمُسْتَأْخِر مفرد (باب استفعال) پچھلے
پیچھے آنے والے، بعد کو آنے والے تاخیر، پیچھے لانا، پیچھے کرنا تاخر پیچھے آنا۔ (لغات القرآن)

معنویات مزید ✶ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے وہ قادر مطلق ہے ہر شے پر
اس کا قبضہ قدرت میں ہے اسی نے مخلوقات کو پیدا کیا حیوانات اور آسائش حیات سے نوازا۔ زندگی
موت، جلانا مارنا اسی کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بقا ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و مختار ہے
مخلوق میں جو موجود ہیں اور موجودات کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا، دین اور
سرفرازی ہے لہذا وہی تمام موجودات اور ان کے پاس موجود اشیاء و مقبوضات کا مالک حقیقی ہے
مالک کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا اختیار ہوتا ہے وہ کسی کو حیات سے مالامال کرے اور جب چاہے موت دیدے
سب مٹنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ رب العزت ہی باقی رہنے والا ہے ✶ آیت ۲۴ میں عَلِمْنَا فرمایا یعنی ہم جانتے
ہیں، ہم کو معلوم ہے۔ دانا اور خوب جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔ واضح رہا کہ علیم اسماء الٰہی میں سے ہے

قرآن پاک میں علیم کا بیشتر استعمال اللہ تعالیٰ کی صفت میں ہی ہوا ہے کیوں کہ اصل علم اسی کا ہے "علیم" اللہ تعالیٰ کے نو دو نو (99) ناموں میں سے ایک صفاتی نام ہے یہ اسم اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا مظہر ہے جس کا علم اتم و اکمل ہے۔ اور وہ علم معلومات سے مستفاد نہیں بلکہ معلومات اس سے مستفاد ہیں

مستقدمین و متاخرین سے مراد بعض کے پاس نمازیوں کی اگلی اور پچھلی صفیں ہیں اس ضمن میں یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ "اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اذان کہنے اور نماز کی پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کتنی عظیم فضیلت ہے تو صف اول میں کھڑے ہونے کے لئے قرعہ اندازی کرنی پڑتی۔ اسی طرح ایک قول یہ بھی بمطابق حضرت کعب کہتے ہیں کہ کچھ ایسے بھی بندگان خاص ہیں کہ جب وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں تو ان کے پیچھے جتنے لوگ ہوتے ہیں سب کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ فضیلت خاص تو صف اول کے قائمین کے لئے ہے اگر کسی وجہ سے صف اول میں کوئی مقتدی نہ پائے تب بھی اس کے لئے یہ امید ہے کہ اگلی صفوں میں سے کسی نیک اور مقبول کی وجہ سے اس کی بھی بخشش ہو جائے • اور بے شک آپ کا رب ہی ان کو جمع کرے گا بے شک وہ حکیم اور علیم ہے

(س م ح ش)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ
مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ ۝ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا
مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝

اور بے شک ہم نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بودار گارا تھی * اور جن کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے * اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آدمی کو بنانے والا ہوں بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے * (۱۵/۲۶ تا ۲۸ ت: کنزالایمان)

۲۶ ۔ اور بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے تیار کی ہوئی تھی الانسان (میں الف لام جنسی ہے اس) سے مراد جنس بشر یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کیا ۔ انسان کی وجوہ تسمیہ متعدد ہیں انس کا معنی ہے ظہور ، انسان ظاہر ہے آنکھ سے دکھائی دیتا ہے اُنس کا معنی دل بستگی اور باہم لگاؤ ہے انسان باہم مانوس ہوتے ہیں یا نسیان سے مشتق ہے ۔ حضرت آدمؑ کو ایک حکم دیا گیا تھا مگر وہ اس کو بھول گئے نسیان کا معنی ہے بھولنا ۔ صلصال خشک مٹی جو آگ میں نہ پکائی گئی ہو اور کھن کھن کرتی ہو (یعنی بجانے سے کھنکتی ہو) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صلصال وہ عمدہ پاکیزہ کیچڑ ہے جس میں پانی سوکھ جانے کی وجہ سے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب اس کو (اس کی قدرے) ہلایا جاتا ہے تو کھڑ کھڑ کی آواز دیتی ہے ۔ مجاہد نے کہا بدبودار کیچڑ کو صلصال کہتے ہیں صَلَّ اللَّحْمُ اور أَصَلَّ اللَّحْمُ گوشت بدبودار ہو گیا ۔ صلصال اسی محاورہ سے ماخوذ ہے ۔ حماء دلدلی کیچڑ جو زیادہ پانی کا قرب ہونے سے کالی پڑ جاتی ہے ۔ مسنون پتلا جس کی صورت بنا دی گئی ہو یہ لفظ سننت الوجہ سے ماخوذ ہے شروع میں مٹی ، تراب ، خاک پھر پانی میں گوندھے جانے کے بعد طین (کیچڑ) پھر ایک مدت تک یونہی رہنے کے بعد حما (لیسدار کیچڑ یا دلدل) پھر اس کا خلاصہ اور جوہر نکال لیا جائے تو اس کو سلالہ (خلاصہ) کہا جاتا ہے پھر اس میں نقوش، صورت بنا دیے جائیں (پتلا بنا دیا جائے) تو اس کو مسنون کہتے ہیں اور مسنون خشک ہو جائے تو اس کو صلصال کہتے ہیں ۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا مسنون خراب بدبودار یہ لفظ سننت الحجر علی الحجر سے ماخوذ ہے ابوعبیدہ نے کہا مسنون (اسم مفعول) سنّ سے مشتق ہے سنّ کا معنی ہے بہانا ۔ مسنون بہایا ہوا جیسے مختلف دھاتیں جن کو پگھلا کر سانچوں میں بھر کر ڈھالا جاتا ہے اسی طرح اس (پتلی سیال) کیچڑ کی حالت ہوتی ہے (جس کو مسنون کہا جاتا ہے) عرب کہتے ہیں سننت الماء میں نے پانی بہا دیا گویا (دلدلی کیچڑ سے ڈھال کر اول (قوام) تیار کیا گیا پھر انسانی صورت بنائی گئی اور مجسمہ تیار کیا گیا جو کھوکھلا تھا پھر وہ خشک ہو گیا اور بجانے سے

کھن کھن ہونے لگا پھر رفتہ رفتہ اس پر تغیرات آتے رہے۔ آخر جب وہ بالکل ہموار اور درست ہو گیا تو اس میں روح پھونک دی گئی (مظہری۔ت)

۲۷۔ وَالْجَانَّ۔ اس سے ابو الجن مراد ہے۔ در منثور میں مرقوم ہے کہ ابلیس ہی ابو الجن ہے اور جان جن کا اسم جمع ہے (قاموس) اور جن چونکہ پوشیدہ رہتے ہیں اس لئے انہیں جن یعنی پوشیدہ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے اس سے مطلق جن یعنی اسم جنس مراد ہو جیسا کہ الانسان بول کر مطلق جنس انسان مراد لی جاتی ہے۔ پھر اسم جنس سے ہر فرد مراد لیا جاتا ہے اسم جنس بمنزلہ اکہ مادہ کے ہوتا ہے اس سے گویا باقی افراد پیدا ہوتے ✱ ہم نے اسے انسان کی تخلیق سے پہلے پیدا فرمایا سخت اور گرم ترین آگ سے ✱ السموم لغت میں الریح الحارۃ (گرم ہوا) اور بمعنی الریح الحارۃ فیھا نار (وہ گرم ہوا جس میں آگ ہو) کو کہا جاتا ہے ✱ السموم اور الحرور میں فرق یہ ہے کہ السموم اکثر دن کو ہوتی ہے اور الحرور وہ گرم ہوا جو رات کے وقت ہوتی ہے کبھی کبھار یہ دن کو بھی ہوتی ہے (قاموس) اور سموم کو اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ یہ لطافت طبع کی وجہ سے مسام میں اثر کر جاتی ہے بالخصوص وہ مقامات جو سوراخ رکھتے ہیں مثلاً منہ، ناک، کان وغیرہ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ سموم وہ آگ ہے کہ جس میں دھواں نہ ہو ✱ جن کی تخلیق سے پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر محض انسانی شرافت کی وجہ سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ انسان جن سے اشرف و افضل ہے ورنہ سب کو معلوم ہے کہ جن انسان سے پہلے پیدا ہوا تھا ✱ جنات اور آدم علیہ السلام کی تخلیق کا درمیانی فاصلہ ساٹھ ہزار سال کا ہے (روح البیان۔ت)

۲۸۔ یہ خبر رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں اور ابلیس کو دی تھی۔ چونکہ جماعت فرشتوں ہی کی تھی۔ ابلیس صرف اکیلا تھا اس لئے اس کا ذکر نہ فرمایا۔ صرف فرشتوں کا ذکر ہوا۔ یہاں آدم علیہ السلام کو بشر فرمانے میں آپ کی انتہائی نعت (تعریف و توصیف) ہے (حضرت آدم علیہ السلام کو) رب نے خود اپنے دست قدرت سے بلا واسطہ فرشتوں کے بنایا فرماتا ہے لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ مطلب یہ ہے کہ میرے سر دست قدرت کی خاص صنعت، خیال رہے کہ آدم علیہ السلام آخری مخلوق ہیں جیسے ہمارے حضور (اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آخر انبیاء (یعنی خاتم النبیین)۔ (نور العرفان)

لغوی اشارے ✱ إِنْسَان: آدمی۔ مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ● صَلْصَال: بجتی ہوئی مٹی، کھنکھناتی ہوئی مٹی، وہ خشک مٹی کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو بجنے اور کھنکھنانے لگے صلصال کہلاتی ہے اور بعض نے اس کے معنی سڑی ہوئی مٹی کے بھی بیان کئے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں "اصل میں صلصال خشک چیز کے بجنے کا نام ہے اسی سے محاورہ ہے صَلَّ المِسْمَار (کھونٹی بجی) اور اسی سے خشک مٹی صلصال سے موسوم ہے (کیونکہ وہ بجتی ہے) صَلْصَلَةٌ باقی ماندہ پانی کا نام ہے جو شکیزہ میں ہلنے کی کھڑکھڑاہٹ سے مشابہ ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے۔ فراء کا بیان ہے کہ صلصال وہ مٹی ہے جس میں ریگ ملی ہوئی ہو اور اس طرح بجنے لگے جس طرح کہ ٹھیکری بجتی ہے ● جَانّ: جن، سانپ، جن کی جمع ہے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ

جس طرح ابوالبشر (سارے انسانوں کے باپ) کا نام آدم ہے اسی طرح ابوالجن (جنوں کے باپ)
کا نام جان ہے قتادہ کا بیان ہے کہ جان ابلیس ہی ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ جان ابوالجن
اور ابلیس ابوالشیاطین ہے۔ جن مسلمان بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔ جس طرح بنی آدم کھاتے پیتے
اور مرتے جیتے رہتے ہیں یہی حال ان کا ہے اور شیاطین مسلمان نہیں ہوتے نہ ابلیس کے مرنے سے پہلے
ان کو موت آتی ہے (خازن) ● سَمُوم لو، تیز بھاپ، وہ گرم ہوا جو زہر کا سا اثر کرے سموم کہلاتی ہے مونث ہے (ل ق)

معلومات مزید ✱ آیت ۲۸ میں ملائکہ کا ذکر آیا ہے۔ مَلٰٓئِکَۃ جمع ہے مَلَک کی اور وہ
اَلُوکٌ سے ہے جس کے معنی پیام بری یا پیام رسانی کے ہیں (راغب اور روح بحوالہ ماجدی) مَلٰٓئِکَۃ
کو ملائکہ کہتے ہی اس لئے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہوتا ہے۔ اردو میں انہیں فرشتہ کہتے
ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہوتے ہیں وجود خارجی رکھتے ہیں محض صفات الٰہی یا قوائے طبیعی کے مرادف
نہیں عادۃً انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں (کبیر و
بیضاوی بحوالہ الینا) ان کی لا انتہا تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے وجود میں انسان پر تقدم زمانی رکھتے ہیں
سرشت معصومانہ ہوتی ہے یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ خالق کے خاص فرمانبردار خادم ہوتے
ہیں محکوم محض ہونے میں بالکل انسان جیسے ہیں (ایضاً) (ص م ح ش)

1422

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ٥ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ٥ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ٥

پھر میں جب اس کو ٹھیک بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا ✱ پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا ✱ مگر ابلیس نے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔

(۱۵/۲۹ تا ۳۱ ✱ ت: حقانی)

۲۹۔ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آئندہ ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں سو جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے جان ڈال دوں۔ نفخ کا معنی ہے کسی کھوکھلی چیز میں ہوا کو گزارنا۔ (منہ سے یا کسی اور طریقہ سے) "فَقَعُوْا" امر ہے وَقَعَ وُقُوْعًا سے۔ "لَهٗ" میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی آدمؑ کی طرف رخ کرکے سجدہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ملائکہ کا قبلہ سجود بنایا جیسے کعبہ کو قبلہ عبادت انسانوں کے لئے قرار دیا۔ کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا بلکہ کعبہ کو تجلیات و انوار سے چونکہ ایک خصوصیت ہے (اس لئے اس کو جہت بنایا پس اسی طرح فرشتوں کے لئے آدمؑ کو سجدہ کی جہت بنایا) (مظہری ت)

● سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنی ہے "وضع الجبهة على الارض"۔ پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنی مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب و احترام کا حکم دیا گیا۔ (۲/۳۴) لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنی مراد ہے یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور عبادت خاص ہے اسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ جو خالق و مالک ہے ساری کائنات کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں۔ تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لئے انبیاء کرام تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اس کی عزت و احترام کے لئے ہو عبادت کے لئے نہ ہو تو اس سجدہ کو سجدہ تحیّہ کہتے ہیں یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی

ہماری شریعت میں حرام ہے۔ (ضیاء القرآن)

● سجدہ کا یہ حکم بطور تعظیم کے تھا۔ عبادت کے طور پر نہیں۔ اور یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا اس لئے اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لئے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (ص۔ ی)

۳۰۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کے ڈھانچہ کی تکمیل اور نفخ روح کے بعد ملائکہ کرام نے سجدہ کیا۔ سب کے سب۔ یہاں تک کہ ان میں ایک بھی باقی نہ رہا ارضی و سماوی تمام ملائکہ ساجد ہوئے اَجْمَعُوْنَ تمام۔ یعنی پس و پیش ہو کر سجدہ نہ کیا بلکہ سب نے اکٹھا ہو کر سجدہ کیا۔ اجمعون تاکید در تاکید ہے لیکن ان دونوں معنوں میں وضع کے لحاظ سے جمع اور معیت کا معنی موجود ہے جیسا کہ عام قاعدہ ہے ہر لفظ کے استعمال (مجازی) میں اصل معنی ضرور ملحوظ ہوتا ہے جب یہ معنی دوسرے اہم معنی کی تاکید کے لئے واقع ہو تو دونوں میں معنیٰ کا اعتبار ضرور ہوتا ہے یہاں پر بھی ایسے ہے کہ اگرچہ دونوں احاطہ کلی کو چاہتے ہیں لیکن چونکہ دوسرا معنی پہلے کے لئے تاکید کے طور پر واقع ہوا ہے اسی لئے اس میں بھی تاکید کے وقت احاطہ کا معنیٰ ملحوظ ہے یہ اس لئے کہ قرآن مجید کا کوئی لفظ زائد اور بے وجہ نہیں۔ علاوہ ازیں سجدہ ایک اہم عمل ہے اس میں ضروری ہے کہ سجدے کا بہترین مفہوم لایا جائے اور بہترین مفہوم یہی ہے کہ سب ملائکہ نے مل کر سجدہ کیا۔ (روح البیان۔ ت)

۳۱۔ ہرچند کہ حضرت آدم علیہ السلام خاک سے بنائے گئے تھے مگر ان میں وہ اسرار حکمت رکھے تھے کہ جن کی نہ فرشتوں کو اور نہ ابلیس کو خبر تھی اس لئے ان کے پیدا ہونے سے پیشتر ملائکہ کو خدا نے یہ حکم دے دیا کہ جب وہ بن کر تیار ہو تو سب کے سب اس کے آگے جھک جاؤ یا تعظیم کے سجدہ۔ فرشتوں نے تو ایسا کیا مگر ابلیس نے اس کے مادۂ خاکی پر لحاظ کر کے تکبر کی راہ سے حکم الٰہی نہ بجا لایا۔ (تفسیر حقانی)

لغوی اشارے ★ سَوَّيْتُهٗ : میں نے اس کو پورا پورا بنا لیا، میں نے اس کو برابر کیا۔ تَسْوِيَةٌ سے ماضی کا صیغہ واحد متکلم ہ ضمیر واحد مذکر غائب ● نَفَخْتُ : واحد متکلم ماضی معروف نَفْخٌ سے (جب) میں پھونک دوں ● رُوْحِيْ : میری روح، میری جان، رُوح مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ ● قَعُوْا : جمع مذکر حاضر امر معروف وقوعٌ مصدر۔ وقوع کے معنی ہیں ثابت اور واجب ہونا، عدم سے وجود میں آجانا، گر پڑنا۔ اس جگہ آخری معنی مراد ہیں یعنی تم گر پڑنا ● اَبٰی : اس نے سخت انکار کیا۔ اِبَاءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب (لغات القرآن)

معلومات مزید ★ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں سب سے پہلا تذکرہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کا ہے۔ آپ کی کنیت ابو البشر مشہور ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہے قتادہ کا بیان ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کو کنیت سے یاد نہیں کیا جائے گا آپ کی کنیت حضور اکرم رسول اللہ

1424

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف و فضیلت کے اظہار کے لئے ابو محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) ہوئی (بوالراق) اللہ تعالیٰ نے سطح زمین
کے حصے حصے سے ایک مشت خاک لے کر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی (مسند امام احمد و ترمذی) یہی وجہ ہے کہ بنی آدم
مختلف رنگ و روپ کے پیدا ہوئے (عمدۃ القاری) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آدم کا اشتقاق
اُدْمَۃٌ سے ہے جس کے معنی "گندم گوں" ہونا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں یہ آدمؑ اُدْمَۃٌ سے مشتق ہے جس کے
معنی موافقت اور شرکت کے ہیں چونکہ آدم علیہ السلام کا خمیر پانی اور مٹی سے ملا کر گیا تھا اس لئے ان کا نام
آدمؑ ہوا۔ بعض کے نزدیک اُدْمَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی قابل تقلید و لائق اتباع کے ہیں۔ بعض
علماء آدم کو سریانی زبان کا لفظ بتاتے ہیں۔ اہل کتاب اس کو آدام بروزن خاعال پڑھتے ہیں۔ ابو اسحق
ثعلبی نے تصریح کی ہے کہ عبرانی میں آدام خاک کو کہتے ہیں اسی مناسبت سے ان کا نام آدم یعنی
خاکی ہوا۔ اور دوسرا الف حذف کر دیا گیا (ایضاً) حضرت ابوذرؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے یہ دریافت کیا کہ کیا آدم علیہ السلام نبی مرسل تھے تو حضور اکرمؐ نے فرمایا "ہاں۔ اللہ نے ان کو اپنے
ہاتھ سے پیدا کیا پھر ان میں روح پھونکی پھر اپنے سامنے ان کو درست کیا۔" (ابن حبان)۔ ارشاد باری تعالیٰ
کو "بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔" (۲/۳۰) خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخلوق کی تمام اشیاء کے سب نام سکھا دیئے اور خلافت کے منصب کا
تقاضا بھی یہی تھا کہ انہیں ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جاتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی یہ کیفیت ہے تو
سید بنی آدم خلیفۃ اللہ فی العالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علوم و معارف کا کیا کہنا۔ (ضیاء) حضرت
آدم علیہ السلام کی پیدائش مبارک جمعہ کے دن ہوئی اور جمعہ ہی کے دن وفات شریف ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں
پانچ سو سال رہے جب زمین پر آئے تو ظہر اور عصر کا درمیانی وقت تھا۔ آپ کے ساتھ بہشتی ہوا اور خوشبو تھی (س م ح ش)

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا * وہ (گستاخ) کہنے لگا کہ میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو جسے تو نے پیدا کیا ہے بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار تھی * اللہ تعالیٰ نے حکم دیا (اے بے ادب) نکل جا یہاں سے تو مردود ہے (۱۵/۳۲ تا ۳۴ * ت: ص)

۳۲۔ قال: یہ جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی نے پوچھا کہ جب شیطان نے سجدہ سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ جواب ملا قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابلیس! تجھے کیا ہوا اور سجدہ نہ کرنے کا سبب تو بتا یہ کہ تو نہیں ہے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔ یعنی باوجودیکہ وہ ملائکہ بھی شرافت اور بزرگی میں تجھ سے کم نہیں تاہم انہوں نے سجدہ کیا اور تو اس سے محروم ہو گیا (روح البیان)

۳۳۔ (ابلیس نے) کہا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے۔ اور (اس نے) کفر و حسد انکار و تکبر کی نمائش کی۔ (ابن کثیر)

● گویا ابلیس نے اپنی ہستی کو آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بہت بعید قرار دیتے ہوئے کہا کہ میرے لئے سجدہ سے مانع میری افضلیت اور برتری ہے، افضل کا مفضول کو سجدہ کرنا زیبا نہیں (ش۔ ع)

● بسا اوقات کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتے وقت اس کی ظاہری شکل و صورت کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اس کے جوہر ذاتی سے قطع نظر کر لی جاتی ہے۔ ابلیس کو فقط یہی یاد رہا کہ آدمؑ کی تخلیق خاک سے اور اس کی آگ سے ہوئی ہے اور آگ افضل ہے خاک سے۔ اس لئے افضل کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے سے کم تر کو سجدہ کرے اس نادان کو یہ سمجھ نہ آئی کہ آدم کے سر پر تو خلافت ارضی کا تاج ہے اس کا دل وہ آئینہ ہے جس پر آفتاب حقیقت کی کرنیں نور افشاں ہیں "نفخت فیہ من روحی" کا سر نہاں اس سے اوجھل رہا۔ اسے یہ بھی نہ سوجھی کہ جب نور سجدہ کناں ہے تو نار کو سجدہ کرنے میں تامل کیوں ہو۔ اور یہ بھی اس کی سراپا غلط فہمی تھی کہ آگ خاک سے افضل ہے حالانکہ اپنی صفات و خاصیات کے اعتبار سے جو رفعت خاک کو حاصل ہے وہ آگ کو نصیب نہیں۔ متانت و وقار، حلم و صبر خاک کے خواص ہیں اس کے برعکس طیش و تیزی، غرور اور ارتفاع آگ کے لوازم ہیں۔ (ضیاء)

۳۴ ۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا (جب تو نے میرا فرمان نہیں مانا) تو (جنت یا آسمان یا ملائکہ کے گروہ سے) نکل جا بلاشبہ تو مردود ہے یعنی بھلائی اور اعزاز سے نکالا ہوا اور دھتکارا ہوا ہے۔ رجیم سنگسار کیا ہوا پتھروں سے مارا ہوا تو (اللہ کی بارگاہ سے) مطرود ہو جائے گا وہ سنگسار کیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ آئندہ اگر تو آسمان سے قریب آیا تو تجھ پر انگارے برسائے جائیں گے، ٹوٹے ہوئے تارے تجھ پر (پتھروں کی طرح) پڑیں گے۔ شیطان کے لئے اس آیت میں وعید بھی ہے اور اس کے اعتراض کا بیہودہ جواب بھی ہے۔ ابلیس کا اعتراض یہ تھا کہ میں تخلیقاً افضل ہوں آدم مجھ سے ادنیٰ ہیں اور ادنیٰ کے سامنے افضل کو سربسجدہ ہو جانے کا حکم مناسب نہیں۔ جواب یہ ہے کہ فضیلت اور برتری کا مدار اللہ کے حکم کی تعمیل پر ہے۔ (اجزاء تخلیقی پر نہیں) جو نافرمان ہوگا وہ بھلائی سے محروم ہو جائے گا اور نکالا جائے گا۔ (مظہری)

● اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جاہل کی بکواس کا جواب نہ دینا سنت الٰہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے ابلیس کی بکواس کا جواب نہ دیا۔ بلکہ نکال دیا۔ دوسرے یہ کہ ظہور فسق سے پہلے فسق کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو تب نکالا جب اس کی سرکشی ظاہر ہوئی، اگرچہ رب تعالیٰ پہلے ہی جانتا تھا کہ شیطان کا انجام یہ ہوگا۔ (نور العرفان)

لغوی اشارے ★ **بَشَر**: آدمی، انسان، اصل میں بَشَرَۃٌ کھال کی ظاہری سطح کو کہتے ہیں اور اَدَمَۃٌ باطنی سطح کو۔ تمام ادبا کا یہی قول ہے مگر ابو زید نے اس کے برعکس کہا ہے جبکہ ابو العباس وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے۔ بَشَرَۃٌ کی جمع بَشَر اور اَبشار آتی ہے انسان کو بھی بشر اسی لئے کہتے ہیں کہ اور حیوانوں میں تو کسی کی کھال اون سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے اور کسی کی بالوں سے مگر انسان کی کھال سب حیوانوں کے برخلاف کھلی ہوئی ہے۔ لفظ بشر کا استعمال واحد اور جمع دونوں کے لئے یکساں طور پر ہوتا ہے اور تثنیہ میں بشرین آیا ہے۔ قرآن مجید میں انسان کے ظاہری جسم اور جثہ کو بشر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ● **حَمَإٍ**: گارا، کیچڑ ● **مَسْنُونٍ**: اسم مفعول واحد مذکر سَنٌّ مصدر باب نصر۔ متغیر (منوں) سڑا ہوا (سیوطی) تیز کرنا۔ ملنا۔ رگڑنا۔ تیز چلانا۔ متغیر کر دینا۔ ظاہر کرنا۔ دانت سے کاٹنا۔ سخت سزا دینا۔ راستہ پر چلنا۔ منہ پر پانی بہانا۔ سِنٌّ دانت۔ اَسْنَانٌ جمع سُنَّۃٌ قرآنی۔ اَلسُّنَّۃُ۔ خصلت، طریقہ۔ سُنَّۃٌ۔ چہرہ، رخسار، پیشانی، صورت، عادت، طبیعت طریقہ۔ سُنَنٌ کھلا راستہ، روش۔ سِنَانٌ بھالا، ہر چیز کی تیزی، مَسْنُونٌ منجھا، مِسَنٌّ تیز کرنے کا آلہ یعنی سان۔ مَسْنُونٌ تیز اور چمکدار چھری، بو متغیر چیز (یعنی وہ چیز جس پر سالہا سال گزرنے سے تغیر اور تبدل آگیا ہو) تَسَنُّنٌ متغیر ہونا۔ طریقہ اختیار کرنا یعنی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنا ● **خَرَجَ**: وہ نکلا، خُرُوجٌ سے، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ★ خُرُوجٌ۔ نکلنا،

خَرَجَ یَخْرُجُ کا مصدر ہے خروج کے معنی نکلنے کے ہیں، خواہ اپنی قرارگاہ سے نکلے یا اپنی حالت سے اور قرارگاہ خواہ گھر ہو یا شہر یا خیمہ اور حالت خواہ اندرونی ہو یا اسباب خارجی میں سے کوئی خروج کا استعمال ہوتا ہے ● رَجِیْم : ملعون، مردود، راندہ ہوا۔ رَجْمٌ سے بروزن فعیلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ یعنی مَرْجُوْمٌ ہے شیطان چونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے راندہ ہوا مردود ہے اس لئے یہ اس کی مخصوص صفت ہے اور قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اسی کی صفت میں آیا ہے (لغات القرآن)

معلومات مزید ★ "عذر گناہ بدتر از گناہ۔ ابلیس کا یہ عذر اسی کا آئینہ دار ہے۔ شیطان کا یہ سمجھنا کہ افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جا سکتا، غلط ہے اس لئے کہ اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں افضل و غیر افضل کی بحث اللہ سے سرتابی ہے" (ص ی) "حضرت صدر الافاضل رحمطراز ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور سجدہ نہ کرنے کا سبب دریافت فرمانا توبیخ کے لئے ہے اور اس لئے کہ شیطان کی معاندت اور اس کا کفر و کبر اور اپنی اصل پر مفتخر ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام کی اصل کی تحقیر کرنا ظاہر ہو جائے" (۱۲/۷) اس راندہ بارگاہ الٰہی کا یہ کہنا کہ مجھے زیبا نہیں بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی۔ اسے اس بات پر گھمنڈ تھا کہ میری تخلیق آگ سے فرمائی گئی ہے۔ اس سے اس مردود کی مراد یہ تھی کہ آگ مٹی سے افضل و اعلیٰ ہے تو جس کی اصل آگ ہوگی وہ اس سے افضل ہوگا جس کی اصل مٹی ہو اور اس خبیث کا یہ خیال غلط اور باطل ہے کیونکہ افضل وہ ہے جسے مالک و مولیٰ فضیلت دے فضیلت کا مدار اصل و جوہر پر نہیں بلکہ مالک کی اطاعت و فرمانبرداری پر ہے" ● (ک) رجیم الرجم بالحجر سے ہے یعنی کسی شے کو پتھر سے مارنا اس سے اس کو بارگاہ سے ہٹانا مراد ہے اس لئے کہ جسے اپنے قرب سے ہٹاتے ہیں تو اسے پتھر مار کر نکالتے ہیں۔ ابلیس راندۂ بارگاہ الٰہی ہے اس سے رحمت و بھلائی چھین لی گئی یا یہ رجم بالشہب سے لیا گیا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ جب ہتھیاروں سے مارا گیا۔ (ص ی ح ش)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝

اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے * بولا اے میرے رب تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں * فرمایا تو ان میں ہے جن کو مہلت ہے * اس معلوم وقت کے دن تک * (۱۵/ آیت ۳۵ تا ۳۸ * ت: کنزالایمان)

۳۵ - اور روز جزا تک تجھ پر لعنت یقینی ہے روز جزا پر پھٹکار اور لعنت کی انتہا ہے اس کے بعد اعمال کی (اُخروی) سزا و جزاء ہوگی اور لعنت اخروی کے عذاب کا وقت آجائے گا یا یہ مطلب ہے کہ روز جزاء تک تو لعنت ہوگی اور اس کے بعد ایسی سخت سزا دی جائے گی کہ اس کی موجودگی میں دنیوی لعنت بھول جائے گا - بعض نے کہا (لعنت کو یوم الدین تک جاری رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے بعد لعنت ختم ہو جائے گی بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے) طویل ترین مدت کو کہا جاتا ہے کہ قیامت تک یہ بات ہوتی رہے گی یا نہ ہوگی (اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ قیامت کے بعد اس کے خلاف ہوگا بلکہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے کی ایک طویل ترین مدت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے) بغوی نے کہا آسمان پر بھی ابلیس ملعون ہے اور زمین پر بھی، آسمان والے بھی اس پر ایسی ہی لعنت کرتے ہیں جیسے زمین والے - مفسر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں (آسمان و زمین والے کیا) آسمان اور زمین کے خالق نے اس پر لعنت کی ہے (تفسیر مظہری - ت)

• "وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ" الإبعاد على سبيل السخط وذلك من الله تعالى في الآخرة عقوبة وفي الدنيا انقطاع قبول فيضه تعالى وتوفيقه سبحانه، ومن الإنسان دعاء بذلك والظاهر ان المراد لعنة الله تعالى. "اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ" الى يوم الجزاء، فيه إشعار بتأخير جزائه إليه إن اللعنة مع كمال فظاعتها ليست جزاء لفعله وإنما يتحقق ذلك يومئذ وفيه من التهويل ما فيه، وجعل ذلك غاية أمد اللعنة قيل ليس لأنها تنقطع هنالك بل لأنه عند ذلك يعذب بما ينسى به اللعنة من أفانين العذاب فتصير هي كالزائل، وقيل: إنما غيا بذلك لأنه أبعد غاية يضربها الناس في كلامهم فهو نظير قوله تعالى (خالدين فيها ما دامت السموات والارض) (هود: ۱۰۷، ۱۰۸) على قول

وقال بعضهم: إن المراد باللعنة لعن الخلائق له لعنة الله تعالى عليه و

1429

وذلك منقطع إذا نفخ في الصور وجاء يوم الدين دون لعن الله تعالى له وإبعاده إياه فإنه متصل إلى الأبد۔ (روح المعانی)

۳۶۔ ابلیس نے کہا اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے رجیم بنایا ہے تو مجھے مہلت دے دے اور میری عمر بڑھا دے قیامت تک یعنی جب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد اٹھائے جائیں یعنی ان کے فنا ہونے کے بعد بھی میں زندہ رہوں۔ اس سے شیطان کا ارادہ یہ تھا کہ جمیع بنی آدم کو گمراہ کرنے اور ان پر ہر طرح کے مکروفریب کے جال بچھانے اور ان کے مرنے کے بعد زندہ رہنے کا وقت عطا فرما۔ (روح البیان - ت)

● هذا السؤال من إبليس لم يكن عن ثقته منه بمنزلته عند الله تعالى، وأنه أهل أن يجاب له دعاء، ولكن سأل تأخير عذابه زيادة في بلائه، كفعل الآيس من السلامة۔ وأراد بسؤاله الإنظار إلى يوم يبعثون: ألا يموت؛ لأن يوم البعث لا موت فيه ولا بعده۔ (الجامع لاحکام القرآن)

۳۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تو مہلت دیے ہوئے گروہ میں سے ہے۔ (ضیاء القرآن)

۳۸۔ (جنھیں) وقت مقرر کے دن تک مہلت دی گئی (ض) ✶ (اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے) فرمایا تو ان میں سے ہے جن کو اس معلوم وقت کے دن تک مہلت ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی دعا کافروں کی بھی قبول ہو جاتی ہے اور دعا سے عمر بڑھ جاتی ہے، تقدیر میں تبدیلی ہو جاتی ہے کیوں کہ شیطان کی یہ درازیٔ عمر اس خبیث کی اس دعا ہی سے ہوئی تو نبی کی دعا کا کیا پوچھنا۔ (حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمیؒ - نور العرفان)

● (ابلیس) مردود و مطرود ہو کر پھر آتشِ حسد سے جلتا ہوا آرزو کرتا ہے کہ قیامت اسے ڈھیل دی جائے اسی کو یوم البعث کہا گیا ہے پس اس کی یہ درخواست منظور کی گئی اور مہلت مل گئی۔ (ابن کثیر - ت)

لغوی اشارے ✶ يَوْمٌ اور الْيَوْمَ: اسم ظرف مضاف دن، طلوع فجر سے غروب آفتاب تک أَيَّامٌ جمع ● اللَّعْنَةَ: اسم مصدر - معرف باللام، پھٹکار - دھتکار ● أَنْظِرْنِي: مجھ کو مہلت دے، مجھ کو ڈھیل دے الْنَظْرُ، الْإِنْظَارُ سے جس کے معنی مہلت دینے اور ڈھیل دینے کے ہیں امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ● يُبْعَثُونَ: جمع مذکر غائب مضارع مجہول۔ وہ اٹھائے جائیں گے ● الْوَقْتِ: اسم جنس۔ اوقات اور وقوت جمع ● مَعْلُومٌ: اسم مفعول واحد مذکر معرفہ و نکرہ، جانا ہوا، معین، مقرر۔ علم سے معلوم کا مشتق ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے عَلَم کو ماخذ قرار دیا جائے، علم کا معنی نشان جو چیز نشان زدہ

اس کی تعیین نہیں ہو پاتی اس لئے معلوم کا ترجمہ مقرر ہو گیا ۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید * اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا کہ اے گستاخ و بے ادب نکل جا یہاں سے تو مردود ہے
ابلیس شیطان کا اصلی نام ہے ۔ یہ ایک جن ہے جو تمام کافر جنوں کا سردار اور انسان کا دشمن ہے (۴م)
ابلیس پہلے اپنی ریاضت و عبادت کی بدولت فرشتوں میں شامل تھا مگر بدقسمتی سے خدا کا نافرمان
ہو کر ملعون ابدی ہو گیا یعنی جب خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کا خاکی قالب بنا کر اس میں روح پھونکی
تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس کو سجدہ کریں ۔ سب نے اس کے حکم کی تعمیل کی مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا ۔
جب خدا نے اس عدول حکمی کا سبب پوچھا تو کہا " میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور یہ خاک سے بنے ہیں
میں ان سے افضل ہوں اس لئے انہیں سجدہ نہیں کیا ۔ اس نافرمانی کے باعث وہ ملعون ہو گیا پھر
اس نے آدم علیہ السلام کو بہشت میں دھوکا دیا ۔ جب راندۂ بارگاہ الٰہی ہوا تو وہ عرض کرنے لگا کہ
جس دن مُردے اٹھائے جائیں گے اس دن تک مجھے مہلت عطا ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے مہلت دی گئی
قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ابلیس کا ذکر آیا ہے ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان آدمی کی رگ رگ میں خون کی طرح پیوست ہے ۔ حضرت
ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " بنی آدم میں سے جو
بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو ولادت کے وقت چھیڑتا ہے ۔ پس وہ شیطان کے چھونے سے
چیخ کر روتا ہے مگر مریم اور ان کے فرزند عیسیٰؑ اس سے مستثنیٰ ہیں ۔ (مسلم شریف)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿﴾

(ابلیس نے) کہا اے رب تو نے مجھے (انسان کی خاطر) خراب (راہ سے کھو دیا) تو کیا ہے میں بھی انہیں زمین پر دکھاوں گا اور سب کو گمراہ ہی کر کے چھوڑوں گا ✱ مگر ان میں تیرے خالص بندے (بچے رہیں گے) ✱ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا یہی (اطاعت کی) راہ مجھ تک سیدھی پہنچتی ہے۔ (۱۵/۳۹ تا ۴۱ ✱ ت: حقانی)

۳۹۔ ابلیس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے اس لئے میں بھی ضرور ضرور دنیا میں (گناہوں کو) آراستہ کر کے ان کے سامنے لاؤں گا اور سب کو کج راہ بناؤں گا۔
یا "بما" میں "ب" قسمیہ اور "ما" مصدریہ ہے ترجمہ اس طرح ہوگا: اے رب (تو نے مجھے گمراہ کر دیا) تیرے اس گمراہ کرنے کی قسم کہ میں ان لوگوں کی نظر میں دنیا کو آراستہ کر دوں گا (جاذب توجہ کر دوں گا) (مظہری۔ ت)

۴۰۔ سوائے تیرے مخلص بندوں کے، یعنی تیرے وہ بندے جنہیں تو نے اپنی اطاعت کے لئے چن لیا اور انہیں شرک جلی وخفی سے محفوظ ومعصوم فرمایا ان پر میرا فریب اور دھوکہ اثر انداز نہ ہوگا اس لئے کہ وہی حقیقی اہل توحید اور اہل بصیرت کے حامل ہیں وہ میری فریب کاریوں سے پورے طور پر آگاہ ہونے کی وجہ سے میری دسترد سے بچ جائیں گے۔ (روح البیان۔ ت)

۴۱۔ "ھذا" کا مشار الیہ اخلاص ہے یعنی جس نے بناوٹ اور ریا، تکلف اور تصنع سے کلیتہ اجتناب کرتے ہوئے اخلاص کو اپنا شعار بنایا وہی اس راہ پر گامزن ہو کر سیدھا اسے ہمارے پاس لے آئے گا۔ (ضیاء القرآن)

لغوی اشارے ✱ اَغْوَيْتَنِيْ: تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ تو نے مجھے راہ سے کھو دیا۔ اَغْوَيْتَ، اِغْوَاءٌ سے جس کے معنی بے راہ کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ جب یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک گمراہی پر سزا دینا دوسرے اضلال یعنی بے راہ کرنا ● اُزَيِّنَنَّ: میں زینت دوں گا۔ آراستہ کروں گا۔ تَزْيِيْنٌ سے مضارع بانون تاکید کا صیغہ واحد متکلم ● الْمُخْلَصِيْنَ: اسم مفعول جمع مذکر معرفہ مخلص واحد، چھانٹے ہوئے برگزیدہ بنائے ہوئے ● مُسْتَقِيْمٌ: اسم فاعل واحد مذکر مرفوع نکرہ، سیدھا۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید ★ شیطان دراصل صرف انسان کا دشمن ہے کیوں کہ وہ آدم علیہ السلام کی وجہ
سے نکالا گیا اس کا بدلہ ان کی اولاد سے لے رہا ہے جھوٹ بولنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ ابلیس نے بھی
نہیں کیا جھوٹا آدمی شیطان سے بھی بدتر ہے (ان ع) ● ابلیس کی سرکشی بیان ہوئی ہے کہ اس نے
اللہ تعالیٰ سے عرض کیا "خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر نجات و سعادت کی راہ بند کر دی" تو میں بھی
اولاد آدم کے لئے زمین میں تیری نافرمانیوں کو خوب زینت دار (یعنی برائیوں کو ان کی نظروں میں اتنا اچھا
کروں گا کہ وہ ان کو اچھا سمجھنے لگیں گے) کر کے دکھاؤں گا اور انہیں رغبت دلا دلا کر نافرمانیوں
میں مبتلا کروں گا جہاں تک ہو سکے گا کوشش کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بہکا دوں۔" اک"
● علامہ شیخ اسماعیل حقی" رقمطراز ہیں سچائی کی شرافت اور بزرگی کی دلیل اور کیا چاہیے جیسے شیطان لعین
جیسے خبیث نے بھی جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا یہاں تک کہہ دیا کہ سب کو گمراہ کروں گا"۔ کسی نے کیا
خوب کہا ہے کہ "سچائی کا طریقہ ابلیس سے سیکھئے" ★ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا کہ ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ!
آدم زادوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ارواح ان کے اجسام میں ہیں اور یہ بات
اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہی اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح قسم یاد کر کے فرمایا کہ
اے ابلیس مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم وہ جب تک مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں بھی
ان کی غلطیاں معاف کرتا رہوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب ابلیس کو لعنتی بنایا گیا تو
اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے رب العالمین! مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بنو آدم کے قلوب پر
ان کے مرتے دم تک قبضہ جماؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم کہ
میں بھی ان کی موت تک توبہ کا دروازہ ان کے لئے کھلا رکھوں گا ★ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس لئے
پیدا فرمایا تاکہ آدم زادوں میں امتیاز ہو جائے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا دوست کون ہے اور دشمن کون۔
ان میں سعادت مند کون ہے اور بدبخت کون۔ اس کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث
فرمائے تاکہ سعادت مند انہی کی پیروی و اقتداء کریں اور ابلیس کی تخلیق اس لئے ہوئی کہ بدبخت
اس کی اقتداء کریں۔ اس طرح سعادت مندوں اور بدبختوں کے درمیان فرق ہوتا۔

★ ابلیس جہنم کا دلال ہے اور اس کا سامان دنیا ہے اور اس نے اپنا یہی سامان جب کفار کو
پیش کیا تو انہوں نے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے تو شیطان نے کہا دین حق کا چھوڑنا اس کی قیمت
ہے تو کافروں نے دین بیچ کر دنیا خرید لی لیکن زاہدین نے دنیا کو چھوڑ کر دین اختیار کیا اور
دنیا سے رغبت والوں نے شیطان سے کہا کہ ہمیں اس کی جنس دکھاؤ۔ شیطان نے ان سے
کہا چونکہ تمہیں دین کی رغبت نہیں بلکہ دنیا سے محبت رکھتے ہو اس لئے چکھنے کا نہیں

پہلے اپنی آنکھیں اور کان گروی رکھنے پڑیں گے۔ انھوں نے مان لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل دنیا کو
دنیا کی خوبی اور اس کی چہل پہل اور رونق سے دل شاد رہتا ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنی آنکھیں
اور کان شیطان کے پاس گروی رکھے ہیں اور اس نے انھیں یہ دنیا صرف دیکھنے کو دی ہے اب
نہ تو یہ اہل دنیا دین سے بالکل بے بہرہ ہیں اور دنیا سے مکمل طور پر بہرہ مند ہیں اس لئے یہ
نہ دنیا کا عیب سن سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے قبائح دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کی چہل پہل اور
رونق پر فریفتہ رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے"۔

* بعض لوگ ایک بزرگ (ابو مدین) کے پاس حاضر ہوئے اور شیطان کے وسوسہ کی شکایت کی
انھوں نے فرمایا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی شیطان میرے پاس سے چلا گیا وہ تمہاری شکایت کرتا تھا یعنی
تم اس سے شاکی ہو اور وہ تم سے بلکہ اس نے مجھ سے عرض کی کہ آپ اپنے مریدوں سے فرمایئے کہ
وہ میری دنیا کا نام نہ لیں میں ان کے دین کا نام نہ لوں گا۔ وہ میری دنیا کے درپے آزار ہوتے ہیں
تو میں ان کی آخرت کے پیچھے پڑ جاتا ہوں۔ ● صراط، صرط سے بنا ہے جس کے معنی ہیں نگل لینا۔
چونکہ راستہ مسافر کو اس طرح اپنے اندر لے لیتا ہے جیسے کھانے والا لقمے کو اس لئے راستے کو صراط
کہتے ہیں اصطلاح میں صراط اس شارع عام یعنی اس عام اور وسیع راستے کو کہتے ہیں جس میں چند آدمی
مل کر چل سکیں۔ المستقیم مشتق ہے استقامت سے اس کا معنی ہے سیدھا ہونا (اس) صراط مستقیم
میں بہت تفصیل ہے یہ دین اور مذہب عقیدے معاملات اور عبادات اور اخلاق سب کو شامل ہے۔
(س م ح ش)

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۝

بے شک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں بہکے ہوؤں میں سے جو بھی تیری پیروی کرنے لگیں * اور بے شک جہنم ان سب کی موعدہ گاہ ہے * اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے (ٹولیوں کے) الگ الگ حصے ہیں (۱۵/ ۴۲ تا ۴۴ ت:م) *

۴۲ - عبادی سے مراد عام بندے ہیں مومن ہوں یا کافر۔ عباد کی اضافت یائے متکلم کی طرف استغراق ہے اگر عبادی کو صرف ایمان کے ساتھ مخصوص کیا جائے تو "من اتبعک" کا استثناء صحیح نہ ہوگا (گمراہوں کو لفظ عبادی میں داخل ہونا چاہئے اس کے بعد استثناء کر کے نکالنا چاہئے) مقصد آیت یہ ہے کہ اللہ نے صرف گمراہوں پر تجھے تسلط عطا کیا ہے تو ان پر غلبہ پا سکتا ہے مومنوں تک تیری دسترس نہ ہوگی۔ ابلیس نے بھی مخلص بندوں کا استثناء اپنے قول میں کر دیا تھا اللہ تعالیٰ کے قول سے بھی اس کی تائید ہوگئی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مخلص بندوں کو اللہ تعالیٰ شیطان کے پنجہ سے محفوظ رکھے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استثناء منقطع ہو (متصل نہ ہو یعنی مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہ ہو اس صورت میں عبادی سے مراد ہوں گے خاص بندے یعنی مومن۔ گمراہوں کو یہ لفظ شامل ہی نہ ہوگا۔) اور "الّا" استثنائیہ نہ ہو بلکہ لٰکن کے معنی میں ہو اور خبر محذوف ہو مطلب اس طرح ہوگا ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں گے اللہ ان کو جہنم میں لے جائے گا۔ شیطان نے اپنے کلام سے یہ وہم پیدا کر لیا تھا کہ جو مخلص بندے نہ ہوں گے میں ان کو ضرور گمراہ کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا

یعنی تیرا تسلط گمراہوں پر بھی نہ ہوگا گمراہ کرنا بھی تیرے قبضہ میں نہیں زیادہ سے زیادہ تیرا کام گناہ کی ترغیب دینا اور بہکانا ہے۔ قیامت کے دن ابلیس خود کہے گا "میرا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا بس اتنی بات تھی کہ میں نے دعوت دی تم نے میری دعوت مان لی" (یعنی میرا تسلط اور جبر نہ تھا صرف ترغیب اور بہکاوا تھا۔) (تفسیر مظہری۔ ث)

۴۳ - بے شک جہنم شیطان کے متبعین کے وعدہ کی جگہ یعنی ان کا رجوع سب کا۔ جہنم یہ لفظ فارسی الاصل اور معرب ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے رکیۃ جہنام یعنی وہ گڑھا جس کی گہرائی لا انتہا ہو * تفسیر الفاتحہ للغزالی میں مرقوم ہے کہ جہنم کو اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں

کہ اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے اسی لئے بئر جہنام اس کنویں کو کہا جاتا ہے جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہ ہو
* جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بڑی دوزخ بڑی ہے اور
آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں کے لئے یہی جیل خانہ بنایا ہے (روح البیان ۔ ت)

۴۴ ۔ دوزخ کے سات طبقے ہیں اور ہر طبقہ کا ایک دروازہ ہے ۔ ہر مجرم اپنے جرم کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ طبقے میں ہوں گے جہنم ، لظیٰ ، حطمہ ، سعیر ، سقر ، جحیم اور ہاویہ ۔ جیسے دوزخ کے سات طبقے ہیں ایسے ہی شیطان کی اتباع کرنے والے بھی سات قسم کے لوگ ہیں ان میں سے ہر ایک جماعت کے لئے علیحدہ درجہ ہے جیسا کافر ویسے ہی درجہ کا مستحق ہوگا ۔ (نور العرفان)

لغوی اشارے * الْغَاوِیْنَ : اسم فاعل جمع مذکر ، غاوی واحد ، حالت نصب ، گمراہ ، کج راہ ، مشرک ● مَوْعِدُهُمْ : اسم ظرف مکان مرفوع ، ان کے وعدہ کی جگہ ۔ اسم ظرف زمان ان کا وقت وعدہ ● بَابٌ : دروازہ ۔ داخل ہونے کی جگہ ● جُزْءٌ ۔ حصہ ، اجزاءٌ جمع ● مَقْسُوْمٌ : اسم مفعول واحد مذکر ۔ بانٹا ہوا ۔ بانٹ کر علیحدہ کیا ہوا ۔ (ل ۔ ق)

معلومات مزید * جَهَنَّمُ ۔ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اصل میں فارسی لفظ تھا جہنام معرب کر لیا گیا ہے (لغات القرآن) حضرت شیخ اسماعیل حقی نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جہنم کا طبقہ علیا خالی رہے گا وہ اس لئے کہ یہ طبقہ اہل ایمان گنہگاروں سے مخصوص ہے لیکن چونکہ الغفور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بخش دے گا اسی لئے وہ طبقہ خالی پڑا رہے گا باقی طبقات کفار و مشرکین سے پر ہوں گے * بحر العلوم میں ہے کہ جہنم کے ساتوں طبقات میں وہ داخل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ان سات اعضاء سے نافرمانی کرتا ہے ۔ ۱ ۔ آنکھ ۲ ۔ کان ۳ ۔ زبان ۴ ۔ پیٹ ۵ شرمگاہ ۶ ۔ پاؤں ۷ ۔ ہاتھ ۔ فتوحات شریف میں درج ہے ۔ اعضاء کی ترتیب یہ ہے ۔ ۱ ۔ سمع ۲ ۔ بصر ۳ ۔ لسان ۴ ۔ دونوں ہاتھ ۵ ۔ دونوں پیر ۶ ۔ شرمگاہ ۷ ۔ بطن ۔ یہی اعضاء ابواب جہنم کے طبقات کے مراتب ہیں جو شخص ان اعضاء کو گناہوں (برائیوں) سے محفوظ رکھتا ہے وہ جہنم کے طبقات سے بچ جائے گا ورنہ انہی اعضاء کی خرابیوں سے جہنم میں جا پڑے گا ● اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو طبقات زمین کے نیچے پیدا کیا ہے اور اس کے سات دروازے بنائے ہیں اول جہنم جو اس امت مرحومہ (گنہگاروں کے) عذاب و عتاب کا مکان ہے ۔ دوم سعیر جو نصاریٰ کا مقام ہے ۔ سوم حطمہ جو یہود کا مقام ہے ۔ چہارم لظیٰ جو ابلیس کے رہنے کی جگہ ہے ۔ ششم جحیم جو مشرکین واصنام پرستوں کا مرجع ہے ۔ ہفتم ہاویہ جو فرعونیوں اور منافقوں کا مرجع ہے ۔ ساتوں نام قرآن مجید میں مذکور ہیں ● حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ جہنم سے پناہ مانگتا ہے جہنم کہتی ہے

اے رب! یہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کو پناہ دے۔ قرآن مجید میں بکثرت ارشاد ہوا کہ جہنم سے بچو دوزخ سے ڈرو * اگر پتھر کی چٹان جہنم کے کنارے سے اس میں پھینکی جائے تو ستر برس میں بھی تہہ تک نہ پہنچے گی۔ اور اگر انسان کے سر برابر سیسہ کا گولا آسمان سے زمین کو پھینکا جائے تو رات آنے سے پہلے زمین تک پہنچ جائے گا حالانکہ یہ پانچ سو برس کی راہ ہے۔ پھر اس میں مختلف طبقات و وادی اور کنوئیں ہیں بعض وادی ایسی ہیں کہ جہنم بھی ہر روز ستر مرتبہ یا زیادہ ان سے پناہ مانگتی ہے یہ خود اس مکان کی حالت ہے اگر اس میں اور کچھ عذاب نہ ہوتا تو یہی کیا کم تھا۔ مگر کفار کی سرزنش کے لئے اور طرح طرح کے عذاب مہیا کئے۔ لوہے کے ایسے لمبے گرزوں سے فرشتے ماریں گے کہ اگر کوئی گرز زمین پر رکھ دیا جائے تو تمام جن و انس جمع ہو کر اس کو اٹھا نہیں سکتے۔ بختی اونٹوں سے بڑے اونٹ کی گردن برابر بچھو اور اللہ جانے کس قدر بڑے سانپ کہ اگر ایک مرتبہ کاٹ لیں تو اس کی سوزش درد و بے چینی ہزار برس تک رہے۔ تیل کی تلچھٹ کی مثل سخت کھولتا پانی پینے کو دیا جائے گا کہ منہ کے قریب ہوتے ہی اس کی تیزی سے چہرے کی کھال گر جائے گی۔ سر پر گرم پانی بہایا جائے گا۔ جہنمیوں کے بدن سے جو پیپ بہے گی وہ پلائی جائے گی خاردار تھوہڑ کھانے کو دیا جائے گا وہ ایسا ہو گا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں آئے تو اس کی سوزش اور بدبو تمام اہل دنیا کی معیشت برباد کر دے۔ جہنم کے شرارے اونچے اونچے محلوں کی برابر اڑیں گے۔ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے جس کو سب سے کم درجہ کا عذاب ہوگا اسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اس کا دماغ ایسا کھولے گا جیسے تانبے کی پتیلی کھولتی ہے وہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ عذاب اسی پر ہو رہا ہے حالانکہ اس پر سب سے ہلکا ہے۔ جہنم کی آگ ہزار برس تک دھکائی گئی یہاں تک کہ سرخ ہو گئی پھر ہزار برس اور یہاں تک کہ سفید ہو گئی پھر ہزار برس یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی اب وہ نری سیاہ ہے یہ دنیا کی آگ جس کی گرمی اور تیزی سے کوئی واقف نہیں کہ بعض موسم میں اس کے قریب جانا بھی شاق ہوتا ہے پھر بھی یہ آگ خدا سے دعا کرتی ہے کہ اسے جہنم میں پھر نہ لے جائے تو تعجب ہے کہ انسان جہنم میں جانے کے کام کرتا ہے پھر بھی جہنم کی آگ سے نہیں ڈرتا جس سے آگ بھی ڈرتی اور پناہ مانگتی ہے۔ (ب ش ح 12) حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آگ میں نہ جاوے گا مگر بدنصیب۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ بدنصیب کون ہے فرمایا "جو اللہ کی فرمانبرداری کا کام نہ کرے اور اس کی نافرمانی نہ چھوڑے" (ابن ماجہ)۔ (س م ح)

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ۭ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ
اِخْوَانًا عَلٰي سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا
بِمُخْرَجِيْنَ ۝ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ۙ وَاَنَّ عَذَابِيْ
هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝

یقیناً پرہیزگار اس دن باغوں اور چشموں میں (آباد) ہوں گے * (انھیں حکم ملے گا)
داخل ہو جاؤ ان جنتوں میں خیر و عافیت کے ساتھ بے خوف ہو کر * اور ہم نکال دیں گے
جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ تھا * وہ بھائی بھائی بن جائیں گے اور تختوں پر
آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے * نہیں پہنچے گی انھیں اس میں کوئی تکلیف اور نہ انھیں
اس سے نکالا جائے گا * بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا
از حد رحم کرنے والا ہوں * اور میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔
(۱۵/۴۵ تا ۵۰ * ت احسن)

۴۵۔ بے شک پرہیزگار لوگ (جنھوں نے شیطان کے اغوا میں آ کر شرک نہیں کیا ہوگا،
شرک سے پرہیز رکھا ہوگا) جنتوں اور (جنتی) چشموں میں ہوں گے (ہر شخص کی ایک
جنت اور ایک چشمہ یا ہر ایک کا متعدد جنتیں اور متعدد چشمے ہوں گے) (تفسیر مظہری۔ ت)
۴۶۔ (پرہیزگاروں کو بشارت سنائی جائے گی کہ) تم ان (جنتوں) میں سلامتی اور امن کے ساتھ
داخل ہو" کہ اب تم ہر آفت سے بچ گئے، ہر ڈر، خوف اور گھبراہٹ سے مطمئن ہو گئے
نہ نعمتوں کے زوال کا ڈر، نہ یہاں سے نکالے جانے کا خطرہ، نہ فنا، نہ کمی۔ (ابن کثیر۔ ت)
۴۷۔ "اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ دنیا میں" کینے تھے سب کھینچ لیے" اور ان کے نفوس
کو حقد و حسد و عناد و عداوت وغیرہ مذموم خصلتوں سے پاک کر دیا وہ" آپس میں بھائی ہیں
" ایک دوسرے سے محبت کرنے والے" تختوں پر روبرو بیٹھے۔ (کنز الایمان حاشیہ)
۴۸۔ جنت میں ان کو ذرا بھی تکلیف اور مشقت نہیں پہنچے گی اور نہ وہ جنت سے نکالے جائیں گے۔ (تفسیر ابن عباس۔ ت)

- معلوم ہوا کہ جب جنتی حضرات کے نہ جنت میں جائیں گے تب نہ نکالے جائیں گے۔ (نور العرفان)
- انھیں نہیں پہنچے گا بہشت میں کوئی دکھ اور رنج و مشقت، اس لیے کہ بہشت عیش و عشرت اور
راحت و فرحت کا گھر ہے پھر اس میں رنج و مشقت کیسی۔ (ف) اللہ ارشاد ہے کہ نصب بمعنی

تعب ہے یعنی کسی شے کے حاصل کرنے کے لئے انہیں کسی قسم کی تکلیف اور مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔
جیسے دنیا میں کسی شے کے حصول کے لئے کئی طرح کے حیلے کرنے پڑتے ہیں یا اس کے لئے کم یا زیادہ محنت
کرنی پڑتی ہے جنت میں ایسے نہیں ہوگا بلکہ وہاں ہر شے فراواں اور بلا تکلف میسر ہوگی ادھر جنتی
کو خیال آئے گا ادھر شے تیار ملے گی * اور وہ جنت سے نکالے بھی نہیں جائیں گے بلکہ ابدالآباد
تک اسی میں اقامت پذیر رہیں گے کیونکہ کامل نعمت وہی سمجھی جاتی ہے جو دائمی ہو (روح البیان - ت)

۴۹۔ میرے بندوں کو خبر دے دیجئے کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں (م - ح)

۵۰۔ بخشش اور رحمت سے جو لوگ فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کے لئے عذاب بھی ہے اور یہ عذاب
بڑا ہی دردناک عذاب ہوتا ہے۔ (بحوالہ ترجمان)

لغویات * عُیُوْنٌ: چشمے عینٌ کی جمع ● سَلٰمٌ: سلامتی، امان، سلام، سالم
یہ سَلِمَ یَسْلَمُ کا مصدر ہے۔ اس کے معنی عیوب اور آفات سے سلامت رہنے، ان سے چھٹکارا
پانے اور بری ہونے کے ہیں ● اٰمِنِیْنَ: مطمئن، دلجمعی، بے خوف۔ اٰمِنٌ کی جمع بحالت نصب و جر ●
نَزَعْنَا: ہم نکال دیں گے ● غِلٌّ: اسم فعل۔ دلی کدورت، قلبی عداوت ● سُرُرٌ: تخت۔
سریر کی جمع۔ راغب لکھتے ہیں سریر یعنی جس پر سرور سے بیٹھا جائے کیونکہ یہ ارباب نعمت
کے ہی پاس ہوتا ہے ● نَصَبٌ: اسم۔ تھکان، مشقت، کوفت (لغات القرآن)

معلومات مزید * جنّٰت۔ جنتیں، بہشتیں، باغات، جَنَّۃٌ کی جمع۔ حضرت عبد اللہ بن عباس
رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جنّٰت بلفظ جمع اللہ تعالیٰ نے اس لئے ارشاد فرمایا کہ جنتیں سات ہیں۔
۱۔ جنۃ الفردوس ۲۔ عدن ۳۔ جنۃ النعیم ۴۔ دار الخلد ۵۔ جنۃ الماویٰ ۶۔ دار السلام
اور ۷۔ علیین (راغب) جنت۔ باغ، اصطلاحاً وہ مقام جس میں ہر قسم کی چیزیں جن سے دل
کو تسکین اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے موجود ہیں۔ اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت
دیدار الٰہی ہے۔ صاحب تفریح لکھتے ہیں کہ خالق کریم نے بہشت کو ساتویں آسمان پر پیدا کیا ہے
قرطبی کہتے ہیں کہ اس کے سات درجے ہیں۔ دار الجلال، دار السلام، دار الخلد، جنت عدن،
جنت الماویٰ، جنت النعیم اور جنت الفردوس۔ بعض اہل تحقیق نے بہشت کے آٹھ طبقات
اس طرح لکھے ہیں۔ عدن، جنت الماویٰ، فردوس، نعیم، دار القرار، دار الخلد، دار السلام اور
دار الجلال اور یہ بھی محققین فرماتے ہیں کہ سات (طبقے) آدمیوں کی تمام تر مادے کے لئے اور آٹھواں
دیدار حق کے لئے لیکن اس کے نام میں اختلاف ہے حضرت عباس کے نزدیک اس کا نام علیین ہے
صاحب کشاف نے اس ترتیب سے جنت کے نام بیان کئے ہیں۔ اول دار الخلد، دوم دار المقام
سوم دار السلام، چہارم جنت عدن، پنجم دار القرار، ششم جنت نعیم، ہفتم جنت الماویٰ

ہشتم جنت الفردوس (۴۴۴) مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کے سو درجے ہیں اور ہر درجہ کی مسافت بقدر مسافت ارض و سما
ہے اور اعلیٰ درجہ فردوس ہے اور اسی پر عرش ہے اور وہ بہشت میں درمیان کی جگہ ہے اور اسی سے چار
نہریں جاری ہیں۔ سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو اس لئے کہ یہ اعلیٰ درجہ
بہشت کا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ بنیاد اس جنت کی سونے اور چاندی سے رکھی گئی ہے اور
روشنی اس میں یاقوت و زمرد کی ہے اور چشمے اس کے نہایت مصفیٰ اور اس میں بجائے سنگریزوں
کے جواہرات بچھے ہیں اور اس باغ میں درخت بے خار و بے خزاں با پوست و برگ طلائی
و نقرائی قائم ہیں اور چار نہریں نہایت صاف جاری ہیں کہ ایک میں پانی سرد و شیریں ہے دوسری
میں دودھ ہے تیسری میں شہد خالص اور چوتھی میں شراب طہور خوش رنگ خوشبودار بہرحال یہ
ان انہار اربعہ مذکورہ کے سوا اور بھی چار چشمے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک کافوری چشمہ
ہے کہ تاثیر اس کی سرد اور ایک چشمہ زنجبیل ہے جس کو سلسبیل کہتے ہیں خاصیت اس کی گرم
ہے اور چشمہ تسنیم ہے کہ بکمال لطافت ہوا میں جاری ہے۔ تسنیم لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں
جو شربت میں خوشبو کے لئے ڈالی جاتی ہے جس طرح گلاب و کیوڑا و بید مشک وغیرہ سو
یہ چشمہ ہے کہ مقربین و سابقین کو اس سے پلائیں گے۔ (ایضاً) حدیث شریف میں ہے کہ سب سے
پہلا زمرہ جو بہشت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکدار ہوں گے۔ اس
میں نہ تھوکیں گے نہ کھنکاریں گے نہ براز کریں گے۔ بہشت میں سب کے برتن سونے کے ہوں گے اسی
طرح ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیاں خوشبودار اور ان کا پسینہ
مشک کی طرح ہوگا۔ (بہشت والے) ہر صبح و شام تسبیح و تہلیل میں منہمک ہوں گے (رواہ البخاری)
قرطبی نے فرمایا کہ بہشت کی تسبیح و تہلیل مکلفانہ اور بطریق وجوب نہیں ہوگی اس لئے کہ بہشت میں
تکلیف اور وجوب کہاں کیونکہ وہ تو جزا کا گھر ہے البتہ بطریق الہام و تیسیر ہوگا۔ (ا)جیسا کہ
ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تسبیح و تہلیل و تکبیر ان کے دل پر الہام فرمائے گا
ایسے جیسے ہمیں دنیا میں مختلف خیالات دل میں گزرتے ہیں وہاں تصورات اور خیالات ہوں گے
لیکن وہ تصورات اور خیالات یہی تسبیح و تہلیل و تکبیر ہوگی * چونکہ آخرت میں بندوں کے
قلوب انوار الٰہی سے معمور اور آنکھیں دیدار الٰہی کی دولت سے معمور ہوں گی اس لئے اب
نعمت الٰہی کی یاد اور اس کی محبت کے سوا اور کیا تصور ہو سکتا ہے اسی لئے زبانیں ذکر میں مشغول
اور دل اس کے تصور میں مصروف ہوا کریں گے قاعدہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اسی
کا ذکر ہوتا ہے اور اسی کی فکر لگی رہتی ہے
(مسلم شریف)